الرسالہ
Al-Risāla

January 1998 • No. 254 • Rs. 8

اس دنیا میں وہی آدمی اپنے ہے کو جانتا ہے
جو اس سے پہلے اپنے نہیں کو دریافت کر چکا ہو

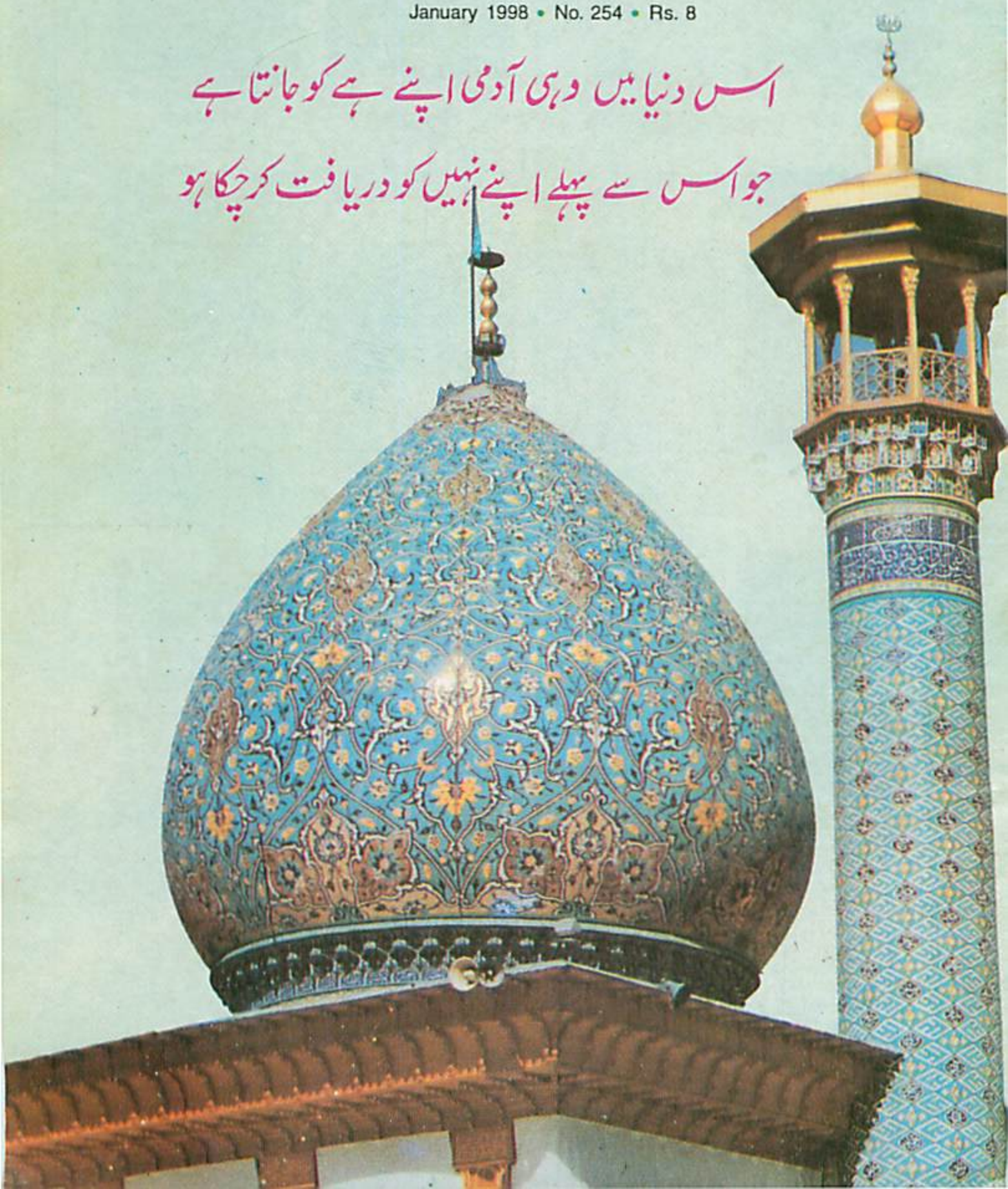

Size 22×14.5cm,
400 pages

Size 22×14.5cm,
112 pages

Size 22×14.5cm,
144 pages

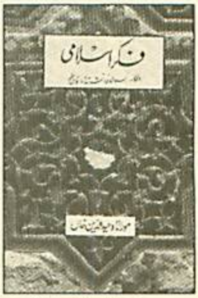

Size 22×14.5cm,
340 pages

Size 22×14.5cm,
152 pages

Size 22×14.5cm,
368 pages

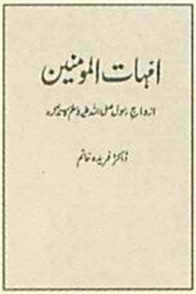

Size 22×14.5cm,
56 pages

Size 22×14.5cm,
172 pages

Size 22×14.5cm,
288 pages

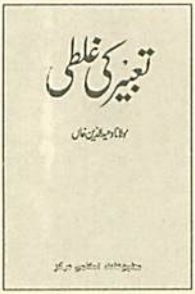

Size 22×14.5cm,
344 pages

Size 22×14.5cm,
152 pages

Size 22×14.5cm,
128 pages

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ
Al-Risāla

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

جنوری ۱۹۹۸، شمارہ ۲۵۴

فہرست — صفحہ

روزہ کیا ہے ۴
علامتی روزہ ۶
تقریب رمضان ۷
ذائقۂ ایمان ۱۱
امتحان گاہ ۱۳
دین مساوات ۱۴
حکمت دعوت ۱۶
مراد آباد کا سفر ۱۸
خبرنامہ اسلامی مرکز ۴۶

مصر کی چھپی ہوئی عربی کتابیں

الرسالہ بک سنٹر میں بڑی تعداد میں دینی اور ادبی عربی کتابیں دستیاب ہیں۔ خواہش مند حضرات فہرست حاصل کریں۔

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market, Near DVB Office,
New Delhi-110013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 4697333, 4647980
e-mail: risala.islamic@axcess.net.in

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 8
One year Rs. 90. Two years Rs. 170.
Three years Rs. 250. Five years Rs. 400
Abroad: One year $ 20/£10 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577

DISTRIBUTED IN USA BY
MAKTABA AL-RISALA
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel. 718-2583435

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

روزہ کیا ہے

روزہ کے لیے اصل عربی لفظ صوم ہے۔ صوم کے معنی ہیں رکنا (abstinence) روزہ میں چوں کہ آدمی کھانے پینے سے اور دوسری خواہشوں سے رک جاتا ہے، اس لیے اس کو صوم کا نام دیا گیا۔

اسلامی شریعت میں روزہ مسلسل ایک مہینہ تک کے لیے ہے۔ ہر سال قمری کیلنڈر کے اعتبار سے رمضان کے مہینہ میں یہ روزہ رکھا جاتا ہے۔ سال میں ایک مہینہ کا یہ روزہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو اس کو رکھنے کی طاقت رکھتا ہو۔

یہ روزہ رمضان کے مہینہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور مہینہ کی آخری تاریخ کو ختم ہوتا ہے۔ چونکہ اس کا انحصار چاند دیکھنے پر ہے، اس لیے وہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کا۔

صبح کو روزہ شروع کرنے سے پہلے جو کھانا کھایا جاتا ہے اس کو سحری کہتے ہیں۔ اس سحری کا وقت صبح صادق (morning twilight) کے ظہور تک رہتا ہے۔ روزہ توڑنے کے لیے جو کھانا کھایا جاتا ہے اس کو افطار کہتے ہیں۔ اس کا وقت سورج ڈوبنے کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے۔ روزہ دار پر کھانے پینے وغیرہ کی جو پابندی ہے وہ صرف دن کے لیے ہے۔ رات کے وقت کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

شام کو روزہ توڑتے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: خدایا، میں نے تیرے حکم سے روزہ رکھا اور تیری اجازت سے میں نے افطار کیا۔ یہ دعا روزہ کی روح کو بتاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی اصل روح یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خدا کی مرضی کا پابند بنائے۔ یہ پابندی پوری زندگی میں مطلوب ہے۔ رمضان کے مہینہ کا روزہ اسی پابند زندگی کی ایک سالانہ علامتی مشق ہے۔

اسلام کے مطابق، موجودہ دنیا میں انسان کو امتحان (Test) کے لیے رکھا گیا ہے۔ اس کو جو آزادی ملی ہے وہ اسی لیے ہے کہ وہ اس کو خود اپنی مرضی سے خدا کے حکموں کی پابندی میں استعمال کرے۔ آزادی کے اس پابند استعمال کے لیے آدمی کو اپنی خواہشوں پر روک لگانا پڑتا ہے۔ اس کے لیے سلف کنٹرول کی استعداد درکار ہے۔ روزہ اسی سلف کنٹرول کی سالانہ تربیت ہے۔

سلف کنٹرول والی زندگی کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ روزہ یہی صبر کی صفت آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں روزہ کو صبر کا مہینہ (شہر الصبر) کہا گیا ہے۔ دنیا میں اسلامی طرز کی زندگی گزارنے کے لیے سب سے زیادہ جس چیز کی اہمیت ہے وہ صبر ہے۔ اسی لیے قرآن میں بتایا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کو خدا کے یہاں بے حساب اجر دیا جائے گا (39.10)

بے حساب اجر کی یہی خوش خبری حدیث میں روزہ کے لیے بھی بتائی گئی ہے۔ ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے نیک اعمال کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے۔ مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (بے حساب) بدلہ دوں گا (بخاری ومسلم)

بے حساب بدلہ کا استحقاق اصلاً صبر کے لیے ہے۔ صبر اسلام میں سب سے بڑی نیکی اور سب سے زیادہ قابل قدر صفت ہے۔ روزہ آدمی کو اسی صابرانہ زندگی کے لیے تیار کرتا ہے، اسی لیے روزہ پر بھی بے حساب انعام رکھ دیا گیا۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کے روزہ کا دن ہو تو وہ نہ کسی کو گالی دے اور نہ کسی سے جھگڑا کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو وہ اس سے کہہ دے کہ "میں ایک روزہ دار آدمی ہوں"

یہی وہ چیز ہے جس کو صبر یا پابندی کہا گیا ہے۔ یعنی اشتعال کا موقع پیش آئے تو اس پر مشتعل نہ ہونا۔ دوسروں کے منفی رویہ کے باوجود اپنے آپ کو مثبت رویہ پر قائم رکھنا۔ کوئی شخص زیادتی کرے تب بھی یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو جوابی زیادتی سے بچانا۔

روزہ ایک سالانہ تربیتی کورس ہے جو آدمی کو اسی ضبط نفس کے قابل بناتا ہے۔ جس آدمی کے اندر ضبط نفس آجائے اس کے اندر وہ طاقت آگئی جس کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو تھامے، جس کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو شریعت کی مقرر کی ہوئی اخلاقی حد پر باقی رکھے، اور صحیح اور مطلوب زندگی گزارے۔

روزہ میں کھانا اور پانی چھوڑنا علامتی طور پر غیر مطلوب چیزوں کو چھوڑنے کا سبق ہے۔ اسی لیے پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ جو آدمی جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور اپنا پینا چھوڑ دے۔

علامتی روزہ

رمضان کے مہینہ کا روزہ ایک اعتبار سے علامتی روزہ ہے۔ قرآن (البقرہ ۱۸۵) کے لفظوں میں وہ صومِ یُسر ہے نہ کہ صومِ عُسر۔ رمضان کے مہینہ میں جو روزہ رکھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ۳۰ دنوں تک کے لیے دن کے اوقات میں جسم کو کھانے اور پینے سے روک دیا جاتا ہے۔ کھانا اور پانی انسان کی ایک ضرورت ہے۔ اسی طرح انسان کی اور بھی اَن گنت ضرورتیں ہیں، محدود مدت کے لیے صرف ایک ضرورت پر پابندی عائد کرنا گویا صوم یسر ہے۔ اسی طرح اگر تمام ضرورتوں پر پابندی لگادی جائے تو وہ صوم عسر کے معنی ہوگا۔

مگر انسان اپنے عجز کی بنا پر صوم عسر کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو صوم یسر کا حکم دیا۔ تاکہ وہ اپنی ایک ضرورت کے بارہ میں محدود پابندی کا تجربہ کرکے اپنے اندر اس احساس کو جگائے کہ رب العالمین اگر اسی طرح تمام ضرورتوں پر پابندی عائد کردے تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ آدمی کے اندر زیادہ سے زیادہ شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

اب صوم عُسر کا تصور کیجئے —— انسان کا نظام ہضم (میٹابلزم) اگر کام کرنے سے رک جائے۔ دل اگر خون کے دوران کو جاری نہ کرے۔ دماغ کا کمپیوٹر اگر اپنا کام بند کردے۔ طبیعت مدبرۂ بدن اگر اپنے عمل کو روک دے تو یہ سب صوم عسر ہوگا۔ اسی طرح جسم کے باہر سورج اگر روشنی اور حرارت ہماری طرف نہ بھیجے۔ اگر ہوا آکسیجن کی سپلائی نہ کرے۔ زمین اگر اپنی قوت کشش کو معطل کردے۔ اس طرح کی بے شمار چیزیں ہیں جو گویا صوم عسر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر وہ پیش آجائیں تو انسان کی پوری زندگی تہہ و بالا ہوکر رہ جائے گی۔

یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ اس نے صوم عسر کا حکم نہ دے کر ہم کو صرف صوم یسر کا مکلف کیا۔ انسان اگر اس خدائی رحمت کا احساس کرکے اس پر سچا شکر ادا کرے تو اس کو نہ صرف صوم یسر کا اجر ملے گا بلکہ وہ صوم عسر کا عظیم تر ثواب بھی پائے گا۔ اسی لیے حدیث میں یہ بشارت آئی ہے کہ دوسرے تمام اعمال کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے۔ مگر صوم (روزہ) کا اجر لامحدود ہے، اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو دیا جائے گا۔ یہ عظیم ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو جسمانی طور پر صوم یسر کا اہتمام کرنے کے ساتھ شعوری طور پر صوم عسر کا بھی تجربہ کرسکیں۔

تقریر رمضان

پچھلے کچھ سالوں سے ہمارے یہاں افطار پارٹی کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ ہر سال رمضان میں سیکڑوں کی تعداد میں اس طرح کی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ ان افطار پارٹیوں میں لوگ جمع ہوکر کھاتے پیتے ہیں تفریحی باتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی افطار پارٹیوں پر فارسی شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے:

تن پروری خلق فزوں شد ز ریاضت — جز گرمیٔ افطار ندارد رمضان ہیچ

آج کے پروگرام کا یہ انداز نہایت صحت مند ہے کہ افطار پارٹی کے ساتھ یہاں اس اسلامی عبادت کے موضوع پر تقریروں کا پروگرام رکھا گیا۔ یہ ایک مفید طریقہ ہے۔ اس کے لیے میں پروگرام کے منتظمین کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ضرورت ہے کہ اس طرح کے اجتماعات زیادہ سے زیادہ کیے جائیں اور مختلف مواقع کو اسلام کے مثبت تعارف کے لیے استعمال کیا جائے۔

اب مجھے روزے کے بارے میں کچھ باتیں کرنا ہے۔ روزہ ایک سالانہ عبادت ہے جو رمضان کے مہینہ میں ادا کی جاتی ہے۔ اس کا آغاز رمضان کا نیا چاند دیکھ کر ہوتا ہے۔ جب شعبان کا مہینہ ختم ہوتا ہے اور رمضان کی پہلی شام آتی ہے تو تمام آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں تاکہ وہ ہلالِ رمضان کو دیکھ سکیں۔ روزہ کی عبادت اگر شمسی مہینہ کی بنیاد پر قائم کی جاتی تو ایسا نہ ہوتا۔ کیوں کہ شمسی مہینہ کو علم الحساب کے ذریعہ مقرر کیا جاتا ہے نہ کہ آسمان میں نیا چاند دیکھ کر۔

یہ گویا رمضان کے مہینہ کا پہلا سبق ہے۔ اسی طرح رمضان یہ پیغام دیتا ہے کہ تم زمین سے اپنی نظریں اٹھاؤ اور آسمان کی طرف دیکھو۔ تم نیچے کی طرف دیکھنے والے نہ بنو بلکہ اوپر کی طرف دیکھنے والے بنو۔ تم مخلوقات کی سطح سے بلند ہوکر خدا کی سطح پر جینا سیکھو۔ یہ وہی چیز ہے جس کو فطرت کی زبان میں اس طرح کہا گیا ہے کہ — سادہ زندگی اور اونچی سوچ:

Simple living and high thinking

اب میں روزہ کی حقیقت کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ باتیں کہوں گا۔

۱۔ قرآن میں جہاں روزہ کا حکم دیا گیا ہے وہاں ارشاد ہوا ہے کہ یہ حکم تم کو اس لیے دیا جارہا ہے کہ تاکہ تمہارے

اندر تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ کے مختلف پہلو ہیں۔ اس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ آدمی کے اندر روحانی صفات پیدا ہوں۔ وہ روحانی ترقی (spiritual development) کا درجہ حاصل کرے۔

روحانیت ایک فطری صفت ہے۔ وہ ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر موجود رہتی ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں بار بار ایسی باتیں پیش آتی ہیں جو فطرت کے اس عمل میں رکاوٹ (distraction) پیدا کرنے والی ہوں۔ انھیں میں سے ایک کھانا پینا بھی ہے۔ آدمی صبح سے شام تک مختلف صورتوں میں کچھ نہ کچھ کھاتا پیتا رہتا ہے۔ یہ کھانا پینا فطرت کے اس عمل کے راستہ میں ایک مستقل خلل اندازی ہے۔ چنانچہ ایک مہینہ کے لیے دن کے اوقات میں اس خلل اندازی پر روک لگا دی جاتی ہے تاکہ روحانی ارتقار کا عمل آدمی کے اندر بے روک ٹوک جاری ہو سکے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے (و لخلوف فم الصائم عند اللہ اطیب من ریح المسك) مشکاۃ المصابیح ۱/۶۱۱

اس حدیث میں گویا خوشبو کا لفظ محض اپنے لفظی معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ علامتی معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کا ظاہری پہلو اگرچہ ناخوش گوار ہے اس کا اندرونی پہلو خوش گواریوں سے بھرا ہوا ہے۔ بھوک پیاس کا پُرمشقت تجربہ آدمی کے اندر اس کی روحانیت کو جگاتا ہے۔

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ اس کے اندر مادیت بھی ہے اور روحانیت بھی۔ روحانیت کی ترقی ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جب کہ مادیت کے عنصر کو دبایا جائے۔ روزہ اسی قسم کی ایک تدبیر ہے۔ روزہ کا مقصد آدمی کو اس کے لیے تیار کرنا ہے کہ وہ اپنی روحانیت کا محافظ بن جائے۔ وہ اس مقصد کے لیے اپنی مادی ضرورتوں میں کمی کرے، خواہ کمی کرنے کا یہ عمل کھانے اور پینے جیسی ناگزیر انسانی ضروریات تک کیوں نہ پہنچ جائے۔

۲۔ حدیث میں روزہ کو شہر الصبر کہا گیا ہے۔ یعنی صبر کا مہینہ۔ اس سے روزہ کا ایک اور اہم پہلو معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ صبر و ضبط ہے۔ صبر کیا ہے۔ صبر یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ وہ بے قید زندگی کے مقابلہ میں پابند زندگی کا طریقہ اختیار کرے۔ اس اعتبار سے روزہ خود انضباطی (self-discipline) کی مشق ہے جو صالح زندگی گزارنے کے لیے انتہائی طور پر ضروری ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑے (مشکوٰۃ المصابیح ۱/۶۲۳)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ میں کھانے پینے کا ترک ایک علامتی ترک ہے۔ یہ علامتی ترک اس بات کا سبق ہے کہ آدمی ہر قسم کے جھوٹ اور برائی کو چھوڑ دے۔ وہ اپنے معاملات میں اخلاقی پابندی کا طریقہ اختیار کرے۔

اس طرح روزہ انسان کو سماج کا ایک صالح ممبر بناتا ہے۔ وہ انسان کو اس مقصد کے لیے تربیت دیتا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان اعلیٰ کردار کے ساتھ زندگی گزارے اور پست کرداری کا طریقہ چھوڑ دے۔

۳۔ حدیث میں روزہ کے مہینہ کو شہر المواساۃ (ھو شھر المواساۃ) کہا گیا ہے۔ یعنی دوسروں کی ہمدردی کا مہینہ (مشکوٰۃ المصابیح ۱/۶۱۳)

اس پہلو کو دوسرے لفظوں میں انسانی خدمت کہا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے روزہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ روزہ دار کے اندر انسانیت کا درد پیدا کرے۔ وہ دنیا میں صرف اپنے لیے نہ جئے بلکہ دوسروں کے لیے جینا سیکھے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں انسان سے فرمائے گا کہ میں تمہارے پاس بھوکا آیا مگر تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ کہے گا کہ خدایا تو تو رب العالمین ہے تو کیسے بھوکا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوک کی حالت میں تیرے پاس آیا تھا اگر تو اس کو کھلاتا تو مجھ کو تو اس کے پاس پاتا (صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ)

انسان کے انسان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی ضروریات میں ان کے کام آئے۔ وہ سماج کے اندر اس طرح زندگی گزارے کہ دوسروں کی حاجتوں کو پورا کرنا بھی اس کی زندگی کے پروگرام کا ایک جزء بنا ہوا ہو۔ یہ انسانی صفت اس کے اندر ہو سکتی ہے جو دوسروں کی تکلیفوں کو اپنے سینے میں محسوس کرے۔ روزہ گویا یہی کیفیت پیدا کرنے کی ایک تربیت ہے۔ روزہ کے ذریعہ بھوک اور پیاس کے تجربہ کو انسان کا ذاتی تجربہ بنا دیا گیا۔ حاجت مند کے درد کو حاجت براری کرنے والے کے دل میں اتار دیا گیا تاکہ وہ انسانی خدمت کی راہ میں زیادہ سے زیادہ سرگرم ہو سکے۔

۴۔ رمضان کا ایک اور پہلو وہ ہے جس کا ذکر قرآن کی سورۃ نمبر ۹۷ میں آیا ہے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر (شب قدر) میں اتارا۔ یعنی وہ رات جب کہ سال بھر کے متعلق

قضا و قدر کے محکم اور اٹل فیصلے زمین میں کام کرنے والے فرشتوں پر خدا کی طرف سے اتارے جاتے ہیں۔ یہ رات رمضان میں آتی ہے۔ چنانچہ رمضان کی آخری راتوں میں روزہ دار خصوصی طور پر عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ اس رات کے فیوض کو پاسکیں۔ اس سورت (القدر) کا ترجمہ یہ ہے :

ہم نے اس کو اتارا ہے شب قدر میں۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کی اجازت سے اترتے ہیں۔ ہر حکم لے کر۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے، صبح نکلنے تک۔

اس سورۃ میں لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔ یہ مدت تقریباً ۸۴ سال بنتی ہے۔ یعنی وہ مدت جو کہ انسان کی اوسط عمر کی مدت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر شب قدر کی برکتوں کو پالے جو گویا روزے کی سعادتوں کا آخری نقطۂ عروج (culmination) ہے تو وہ تمام عمر کے لیے اصلاح یافتہ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ شب قدر کی سعادتوں کو جزئی طور پر پائے تب بھی کم از کم سال بھر اس کی زندگی پر اس کے مبارک اثرات باقی رہیں گے۔ رمضان کے مہینہ کی اس اہم ترین رات کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ سلامتی ہی سلامتی ہے :

It is all peace till the rising of the dawn.

اس سے روزہ کا ایک اور اہم پہلو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ روزہ کا مقصد آدمی کے اندر یہ صفت پیدا کرنا ہے کہ اس کی روح سراپا سلامتی بن جائے۔ وہ اپنے سماج کے اندر امن و سلامتی کے ساتھ رہنے لگے۔ سلامتی کی روح وہ ہے جو تکلیفوں میں بھی پر سکون رہے، مادی رغبتوں سے اوپر اٹھ جائے جو ناخوش گواریوں کے ماحول میں بھی خوش گوار جذبات کے ساتھ جینے لگے۔

جس انسان کے اندر سلامتی کی یہ صفت پیدا ہو جائے اس کا وجود پورے ماحول کے لیے سلامتی بن جاتا ہے۔ وہ سماج کا ایک ایسا پر امن شہری بن جاتا ہے جس سے دوسروں کو صرف امن و سلامتی ملے۔ حتی کہ دوسرے لوگ اگر اس کو ستائیں تب بھی وہ اپنی پر امن روش پر پوری طرح قائم رہے۔

ذائقہ ایمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربًا وبمحمد رسولًا وبالاسلام دینًا۔ ایمان کا مزہ چکھا اس شخص نے جو اللہ کی ربوبیت پر راضی ہوگیا۔ جو محمدؐ کی رسالت پر راضی ہوگیا اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام کا معاملہ کوئی خشک معاملہ نہیں ہے بلکہ ذائقہ کا معاملہ ہے۔ اگر آپ پھل کے چھلکے کو کھائیں تو آپ کو اس سے کوئی ذائقہ نہیں ملے گا۔ مگر جب آپ پھل کا مغز کھاتے ہیں تو آپ کو اس میں ایک ذائقہ ملتا ہے۔ یہی معاملہ ایمان کا ہے۔ ایمان کو بھی اگر حقیقی طور پر اختیار کیا جائے تو وہ آدمی کے لیے نہایت اعلیٰ ذائقہ کی چیز بن جائے گا۔

حدیث کے مطابق، ایمان کا یہ درجہ آدمی کو "رضامندی" کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ آدمی جب دل کی آمادگی کے ساتھ پوری طرح دین پر راضی ہو جائے تو دین اس کے لیے ذائقہ کی چیز بن جاتا ہے۔

ذائقہ ایک تقابلی لفظ ہے یعنی بدمزگی کے مقابل میں خوش مزگی۔ ایمان آدمی کے اندر یہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ غیر دینی بات اس کو بدمزہ معلوم ہو اور وہ اس کو کراہت کے ساتھ چھوڑ دے۔ اس کے مقابلے میں دینی بات اس کو خوش مزہ محسوس ہو اور اس کو وہ پسندیدگی کے ساتھ اختیار کرلے۔

خدا کو اپنا رب بنانے کا مطلب خدا کو اپنا سب کچھ بنالینا ہے۔ جب کوئی آدمی پورے معنوں میں خدا کو اپنا سب کچھ بناتا ہے تو بار بار اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسا کرنے کے نتیجے میں بظاہر وہ دنیوی نقصان سے دوچار ہو رہا ہے مگر وہ اس نقصان کو بخوشی برداشت کرتا ہے۔ کیوں کہ خدا سے تعلق ہی اس کے لیے لذیذ ترین تجربہ بن جاتا ہے۔ خواہ اس میں نقصان ہو یا فائدہ۔

اسی طرح ایک مومن جب زندگی کے میدان میں داخل ہوتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اختیار کرنے میں دنیوی مصلحتیں مجروح ہو رہی ہیں۔ اس کے باوجود وہ طریقۂ نبویؐ پر قائم رہتا ہے۔ کیوں کہ — طریقۂ نبوی کو چھوڑنا اس کے لیے بدذائقہ چیز بن جاتی اور طریقۂ نبوی پر قائم ہونا ایک خوش ذائقہ چیز۔

یہی معاملہ وسیع تر معنوں میں پورے اسلام کا ہے۔ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی

اس طرح گزارے کہ وہ ہر معاملے میں خدائی احکام کی پیروی کر رہا ہے۔ اندرونی خواہشوں کو زیر کرنے سے لے کر بیرونی کردار کو ربانی بنانے تک، ہر معاملے میں وہ خدا کا تابعدار بنا رہے، وہ اپنی پوری زندگی کو خدا کے رنگ میں رنگ لے۔

اس قسم کی زندگی گزارنا کوئی سادہ معاملہ نہیں۔ یہ پورے معنوں میں ایک مجاہدانہ معاملہ ہے۔ مسلسل جدوجہد ہی کے ذریعہ آدمی اس پر قائم رہ سکتا ہے۔

اس طرح اسلامی زندگی میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے دو راہیں آتی ہیں۔ ایک وہ جو اسلامی ہے، مگر اس میں طرح طرح کی مشکلات ہیں۔ دوسرے وہ جو اسلامی نہیں، مگر بظاہر اس میں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں، مگر جو سچا مومن ہے وہ بلا جھجک اسلامی طریقے کو اختیار کر لیتا ہے اور غیر اسلامی طریقے کو ترک کر دیتا ہے۔ کیوں کہ اسلامی طریقہ ظاہری ناموافقت کے باوجود اس کے لیے خوش مزہ بن جاتا ہے اور غیر اسلامی طریقہ ظاہری موافقت کے باوجود اس کو سخت بدمزہ محسوس ہونے لگتا ہے۔

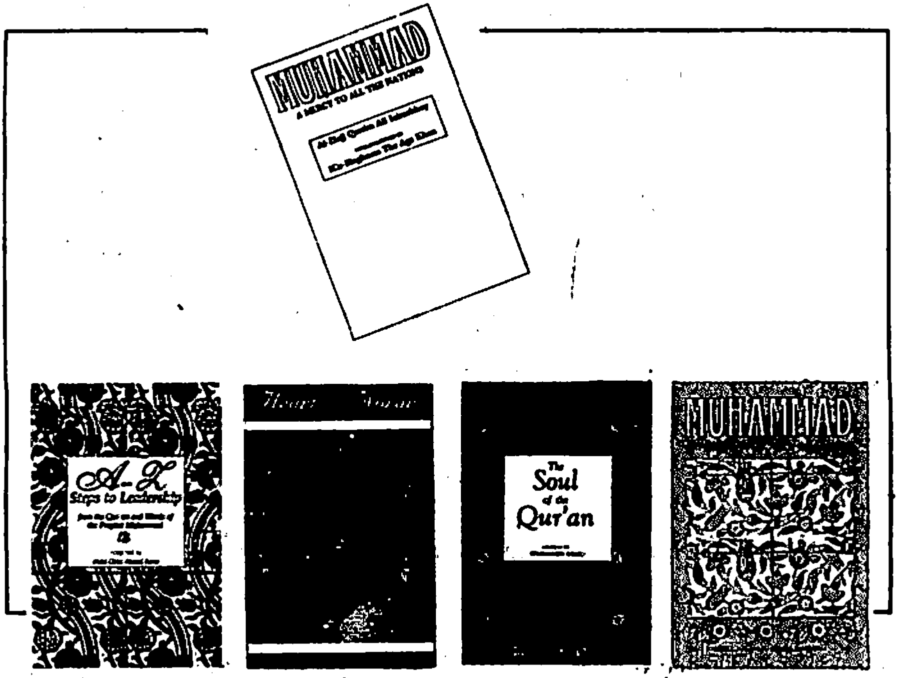

امتحان گاہ

ایک طالب علم جب امتحان ہال میں داخل ہوتا ہے تو وہاں وہ اپنے آپ کو ایک وسیع کمرہ میں پاتا ہے۔ اس کے لیے وہاں پہلے سے آرام دہ کرسی اور میز بچھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے چاروں طرف گملے ہوتے ہیں جن میں خوب صورت پھول سجے ہوئے دکھائے دیتے ہیں۔ وہاں خادم بھی ہوتے ہیں جو اس کے اشارہ پر فوراً اس کی ضرورت پوری کریں۔ ہال کی کھڑکیاں چاروں طرف سرسبز وشاداب پارک کا منظر دکھا رہی ہوتی ہیں۔ وغیرہ۔

مگر طالب علم ان میں سے کسی چیز سے بھی لطف اندوز نہیں ہو پاتا۔ بظاہر خوشی اور لذت کے ماحول میں بھی وہ خوشی اور لذت سے محروم رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت طالب کے ذہن پر صرف ایک بات کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ میں امتحان گاہ میں ہوں۔ یہاں میں کسی بھی چیز کا مالک نہیں۔ یہاں جو کچھ ہے وہ کسی اور کا ہے۔ مجھ کو یہاں صرف اس لیے داخلہ ملا ہے کہ میں امتحان کے پرچے میں دیے ہوئے سوالات کو حل کروں۔ مزید یہ کہ میرے پاس صرف محدود وقت ہے، اس محدود وقت کا واحد استعمال یہ ہے کہ میں اس کو امتحان میں لگاؤں۔ اس کے سوا دوسری ہر مشغولیت میرے لیے وقت کا ضیاع ہے نہ کہ وقت کا استعمال۔

ٹھیک یہی معاملہ انسان کا موجودہ دنیا کی نسبت سے ہے۔ یہ دنیا ایک وسیع امتحان گاہ ہے۔ اس دنیا میں جو آدمی بھی آتا ہے وہ امتحان دینے کے لیے آتا ہے، اس بات کا امتحان کہ کسی انسان نے خدا کا سچا اعتراف کیا یا نہیں، انسان نے دوسرے لوگوں کے معاملہ میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا یا وہ اس میں کوتاہ ثابت ہوا۔

دنیا کی یہ امتحانی نوعیت اگر آدمی کے اوپر پوری طرح واضح ہو تو یہاں اس کا حال وہی ہو جائے گا جو کسی امتحان ہال میں طالب علم کا ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ وہ بے فکری کے ساتھ زندگی گزارے۔ وہ خوشیوں اور لذتوں میں گم ہو جائے۔ ایسے آدمی کے لیے دنیا ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی جگہ ہوگی نہ کہ راحتیں سمیٹنے کی جگہ۔

حکمتِ دعوت

ولادیمیر اول (Vladimir) ۹۵۶ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۰۱۵ء میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ روس کا پہلا عیسائی بادشاہ ہے۔ وہ ابتداءً بت پرست تھا اس نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ اس کے بعد اس نے روسی باشندوں کو عیسائی بنانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان کی اکثریت نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ تمام بت دریاؤں میں پھینک دیے گئے۔

گیارھویں صدی عیسوی کے ایک مسیحی راہب یعقوب (Jacob) نے اس سلسلے میں جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بہت سبق آموز ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ شاہ روس ولادیمیر کا یقین اپنے آبائی مذہب (بت پرستی) سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد اس نے تحقیق کے لیے یہودی، عیسائی اور اسلامی علماء کو بلایا اور ہر ایک سے اس کے مذہب کے بارے میں مفصل گفت گو کی (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، تذکرہ ولادیمیر ۱۹۸۴)

یعقوب کے بیان کے مطابق، یہودی علماء نے کہا کہ ہمارا خدا ہم سے ناراض ہے، اس لیے ہم کو نہیں معلوم کہ ہمارا مقام زمین میں ہے یا آسمان میں۔ ولادیمیر نے کہا کہ مجھے ایسے مذہب کی ضرورت نہیں۔

مسلم علماء کی زبان سے اسلام کی تعلیمات کو سن کر اس کو اسلام سے دل چسپی پیدا ہوئی حتی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر اس نے کہا کہ میں شراب کا بہت زیادہ عادی ہوں۔ میں اور سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں مگر میں شراب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مسلم علماء نے کہا کہ ہمارے مذہب میں شراب حرام ہے۔ اس لیے اگر تم اسلام قبول کرتے ہو تو شراب بھی تم کو لازماً چھوڑنی پڑے گی۔ اس نے علماء سے بہت زیادہ کہا کہ شراب کے معاملے میں اسے رخصت دے دی جائے مگر علماء اس پر راضی نہیں ہوئے۔ چنانچہ بات ختم ہو گئی اور شاہ روس اسلام قبول کرنے سے باز رہا۔

اس کے بعد شاہ روس ولادیمیر نے عیسائی مذہب کے لوگوں سے گفت گو کی۔ عیسائی عالموں نے زیادہ حکمت اور دانش مندی کا ثبوت دیا۔ وہ اگرچہ اپنے مذہب اور عقائد کے معاملے میں بادشاہ کو زیادہ مطمئن نہ کرسکے تھے، مگر انھوں نے شراب کے معاملے میں بادشاہ کو رخصت دے دی۔ مسیحیت پر

اصولی اعتبار سے مطمئن نہ ہونے کے باوجود عملی اعتبار سے اس نے اس کو پسند کرلیا۔ چنانچہ گفتگو کے آخر میں شاہ روس نے مسیحی مذہب کو اختیار کرلیا۔ پروفیسر رابرٹس کے الفاظ میں : ——— یہ واقعہ روس کی تاریخ اور کلچر میں ایک نقطہ انقلاب بن گیا۔

It was a turning point in Russian history and culture.

قدیم زمانہ "الناس علی دین ملوکہم" کا زمانہ تھا۔ چنانچہ روس کے لوگوں نے اپنے بادشاہ کے مذہب یعنی مسیحیت کو اختیار کرلیا۔ بہت جلد پورے ملک میں مسیحیت پھیل گئی۔ روس کا علاقہ مؤحدین کے بجائے غیر موحدین کا علاقہ بن گیا۔

مذکورہ علماء نے جو بات کہی وہ فقہی مسئلے کے اعتبار سے درست تھی، مگر وہ دعوتی مسئلے کے اعتبار سے درست نہ تھی۔ فقہ کی کتاب میں اسلام کے مسائل صرف اپنی قانونی حیثیت میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فقہ کی کتابوں میں مسائل کی جو فہرست دی گئی ہے اس کو ویسے ہی کا ویسے ہی نافذ بھی کرنا ہے۔ عملی نفاذ میں تدریج کا اصول ہے نہ کہ فہرست بندی کا اصول۔

اسلام کے دور اول میں اسی تدریج کو استعمال کیا گیا۔ حتی کہ مکی دور میں یہ حال تھا کہ ایمان لانے کے باوجود شراب پینے والے شراب پیتے تھے۔ یہی تدریجی حکمت بعد کے زمانوں میں بھی اختیار کی جائے گی۔ تدریجی حکمت کے بغیر دعوت کی توسیع ممکن نہیں۔

Size 22x14.5cm, 320 pages; Rs. 60

Size 22x14.5cm, 192 pages; Rs. 40

Size 22x14.5cm, 240 pages; Rs. 50

مراد آباد کا سفر

جولائی ۱۹۹۵ میں مراد آباد سے جناب عبد الرحمٰن صاحب کا ٹیلی فون آیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ مراد آباد کا سفر کریں۔ اور یہاں کچھ وقت ہم لوگوں کے ساتھ گزاریں۔ اس کے بعد بار بار ان کا خط اور ٹیلی فون آتا رہا۔ آخر کار مجھے راضی ہونا پڑا۔ چنانچہ ۹ مارچ ۱۹۹۶ کو دہلی سے مراد آباد کا سفر ہوا۔ یہ سفر بذریعہ کار طے ہوا۔ میرے ساتھ جناب عبد الرحمٰن صاحب اور جناب غلام مصطفےٰ رحیمی صاحب تھے۔ یہ مراد آباد کے لیے میرا چوتھا سفر تھا۔

مراد آباد کے لیے پہلا سفر ۱۹۷۸ میں ہوا تھا۔ اس سفر میں میرا قیام جناب ثناکر وارث صاحب کے مکان پر تھا۔ اس سفر کی روداد الرسالہ نومبر ۱۹۷۸ میں شائع ہو چکی ہے۔ مراد آباد کا دوسرا اور تیسرا سفر اس کے کئی سال بعد ہوا۔ دونوں بار میرا قیام جناب اقبال احمد صاحب (Tel. 23029) کے مکان پر تھا۔ چوتھا سفر موجودہ سفر ہے۔ اس بار میرا قیام جناب عبد الرحمٰن صاحب کے مکان پر رہا۔

ہماری کار دہلی کی سڑکوں پر گزرتی ہوئی آگے بڑھی تو ایک مقام پر وہ منظر دکھائی دیا جس کو ڈائناسار کہا جاتا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے مطابق قدیم زمانہ میں زمین پر بہت بڑے بڑے جانور پائے جاتے تھے جن کو ڈائناسار کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہاتھی نما جانور زمین کے اوپر ۶۵ ملین سال پہلے پائے جاتے تھے۔ بعد کو وہ معدوم ہو گئے۔

یہ ایک علامتی واقعہ ہے جو بتاتا ہے کہ زمین پر کس طرح روک تھام (check and balance) کا نظام قائم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف ڈائناسار بلکہ تمام جانور لامحدود طور پر بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر قدرتی روک نہ ہو تو ہر پتنگا ہاتھی بن جائے اور ہر ہاتھی پہاڑ کی مانند نظر آنے لگے۔ حتی کہ خود آدمی لمبا ہو کر تاڑ جیسا قد حاصل کر لے۔ یہ ایک عظیم قدرتی کنٹرول ہے جو ہر چیز کو ایک متعین حد کے اندر رکھتا ہے۔ اگر یہ کنٹرول باقی نہ رہے تو یہ زمین اس قابل ہی نہ رہے گی کہ وہاں انسان جیسی مخلوق آباد ہو اور اس کے اوپر تہذیب و تمدن کی تعمیر کرے۔

ڈائناسار جو قدیم زمانہ میں زمین پر گویا حکومت کر رہے تھے ایک وقت آیا کہ وہ اچانک ختم

ہو گئے تاکہ زمین پر انسان جیسی مخلوق کی آبادکاری کی راہ ہموار کریں۔ یہ واقعہ کیسے ہوا۔ اس کا جواب ماہرین ارضیات کے پاس کچھ نہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ کریٹی سیس دور کے آخری زمانہ میں ڈائنا سار ارضیاتی ریکارڈ سے مکمل طور پر سطح زمین سے غائب ہو گئے۔ اس اچانک خاتمہ (sudden extinction) کا سبب مکمل طور پر غیر واضح ہے۔ قیاسی طور پر کچھ اسباب بتائے جاتے ہیں، مثلاً درجۂ حرارت میں تبدیلی وغیرہ۔ لیکن علماء کے نزدیک یہ اطمینان بخش نہیں ہیں (III/556)

دہلی سے ہم لوگ ظہر کی نماز کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ دہلی کی مختلف مانوس سڑکوں سے گزرتے ہوئے آخر کار ہم اس شاہراہ پر پہنچے جو نیشنل ہائی وے نمبر ۲۴ کہی جاتی ہے۔ یہ سڑک سیدھی مرادآباد تک جا رہی تھی۔

راستہ میں ایک جگہ دو ہاتھی جھومتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ ہاتھی عجیب وغریب جانور ہے۔ وہ صرف سواری یا سرکس کے لیے نہیں ہوتا۔ وہ مختلف قسم کی ضروری خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تربیت کے بعد ہاتھی کم وبیش ۳۰ قسم کی انسانی آوازوں کو سمجھتا ہے اور اس کے مطابق ان کی تعمیل کرتا ہے۔ ایک ہزار سال قبل مسیح سے ہاتھی کو جنگی ضرورتوں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ایک مبصر کے الفاظ میں، یہ طاقت ور حیوان ایک چھوٹے قلعہ کو اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر سے ادھر لے جا سکتے ہیں:

These powerful beasts could carry a miniature fort on their backs. (19/682)

راستہ میں دونوں صاحبان سے دینی اور ملی موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے دعوت کی اہمیت کے بارہ میں پوچھا۔ میں نے کہا کہ دعوت تو مسلمانوں کے اوپر فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جو شخص دعوتی کام کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ کیا کرے۔ میں نے کہا کہ ایسا آدمی مدعو کے حق میں ہدایت کی دعا کرے۔ خدا اگر آپ کو اس حال میں نہ دیکھے کہ آپ مدعو پر محنت کر رہے ہیں تو کم سے کم یہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنی تنہائیوں میں یہ سوچ کر تڑپ اٹھیں کہ میں دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ادا نہ کر سکا۔ اور پھر بے تابانہ طور پر آپ کی زبان سے یہ الفاظ

Call of the wild

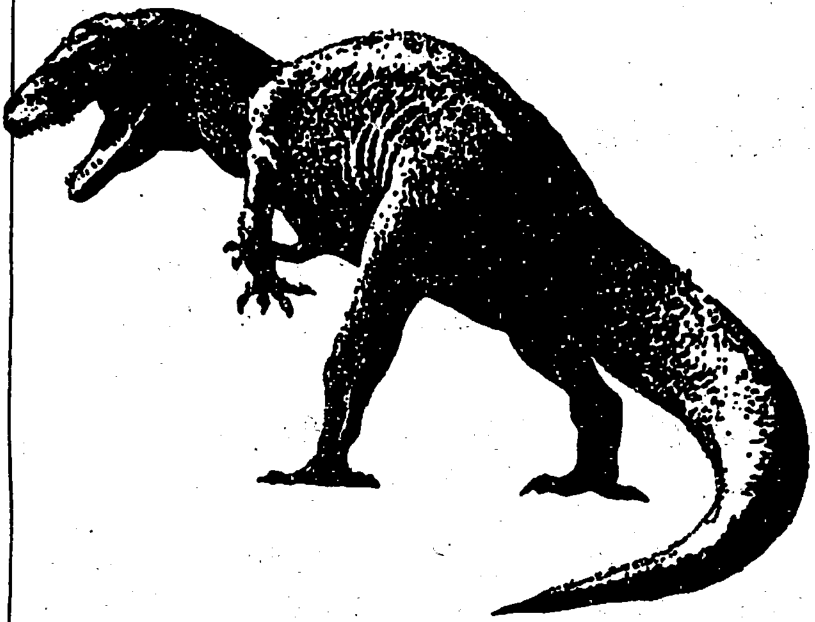

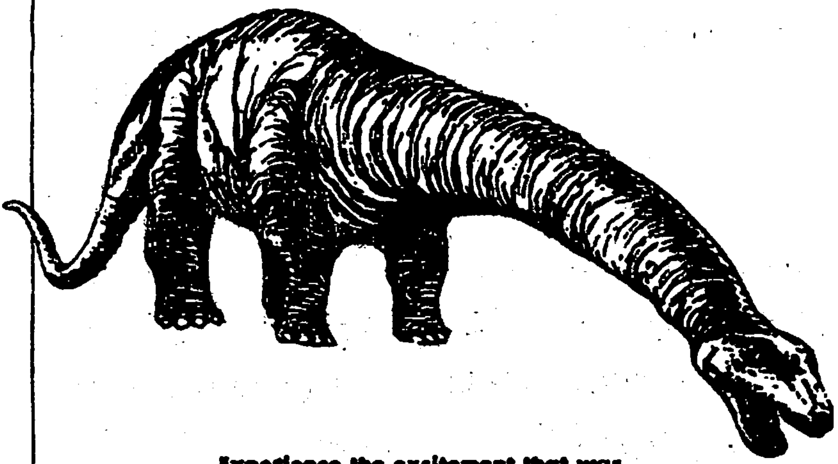

Experience the excitement that was
Sixty five million years ago
It's here.

نکلیں کہ خدایا تو مجھے معاف فرما، اور اپنی طرف سے اس قوم کے لیے ہدایت کے دروازے کھول دے۔

ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ اس طرح کی چیزوں میں آپ کو اپنے دل سے فتویٰ پوچھنا چاہیے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: استفتِ قلبک۔ انھوں نے کہا کہ دل سے فتویٰ پوچھنے کا مطلب کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کامن سنس (عقل عام) کو استعمال کرنا۔

ایک سوال یہ تھا کہ امت کے اختلافات کیسے ختم ہوں۔ میں نے کہا کہ اختلاف انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اور وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آپ کا کام اختلاف کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ اختلاف کو برداشت کرنا ہے۔ اختلاف خود انسانی فطرت میں شامل ہے۔ آپ فطرت سے لڑ نہیں سکتے۔ آپ فطرت سے موافقت کر کے ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔

عبد الرحمٰن صاحب نے کہا کہ آپ کے بارہ میں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے حج نہیں کیا۔ آپ دنیا بھر کے سفر کرتے رہتے ہیں، مگر ابھی تک آپ حج کے لیے کو نہیں گئے۔ میں نے کہا کہ یہ سراسر جھوٹی بات ہے۔ میں نے خدا کے فضل سے ۱۹۸۲ میں وہاں جا کر حج کا فرض ادا کیا ہے۔ اس کی روداد "حج کا سفر" کے عنوان کے تحت الرسالہ جولائی ۱۹۸۳ میں شائع ہو چکی ہے۔

اس کے بعد ۱۹۸۴ میں خدا کے فضل سے مجھے عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سفر کی روداد الرسالہ مئی ۱۹۸۴ میں دیکھی جا سکتی ہے (صفحہ ۲۲)

راستہ میں ایک نہر پڑی۔ ساتھی نے بتایا کہ یہی وہ ملیانہ کی نہر ہے جس میں لوگوں کو مار کر ان کی لاشیں ڈال دی گئی تھیں۔ میں نے دیکھا تو نہر کا پانی بدستور خاموشی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ساری کائنات آج خاموش ہے، جب کہ یہی کائنات آخرت میں بول پڑے گی۔ وہ خدا کی عدالت میں ساری باتوں کی گواہی دے گی۔ اس دن وہ تمام باتیں کھل جائیں گی جو آج بظاہر چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔

راستہ میں ہم لوگ ایک جگہ پہنچے تو ایک اور سڑک نکل کر بائیں طرف جاتی ہوئی نظر آئی۔ ساتھی نے بتایا کہ یہ سڑک امروہہ کی طرف جا رہی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے اکتوبر ۱۹۶۹ میں امروہہ کا سفر کیا تھا۔ اس کی روداد الجمعیۃ ویکلی (۲۱ نومبر ۱۹۶۹) میں چھپ چکی ہے۔ اس کا ایک جزء یہ تھا:

یہاں شہر کے باہر آٹھ سو سال پہلے کے ایک بزرگ سید شرف الدین شاہ ولایت کا ایک مزار ہے جو ۵۲ بیگھہ رقبہ کے ایک قبرستان میں واقع ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس علاقہ میں بچھو ہیں لیکن بزرگ کی دعا کی وجہ سے وہ کسی کو کاٹتے نہیں۔ حتی کہ باہر سے کوئی زہریلا بچھو جب اس زمین پر لاکر ڈالا جاتا ہے تو وہ بھی نہیں کاٹتا۔ اس سلسلہ میں یہاں کے لوگوں نے کئی واقعات سنائے۔۔۔ درگاہ کو دیکھ کر جب میں لوٹ رہا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ بچھوؤں کی یہ کرامت بڑی عجیب ہے۔ کاش ہم نے ایسے بزرگ بھی پیدا کیے ہوتے جو ہماری اندرونی لڑائیوں کو ختم کردیتے یا وہ اس ہولناک جارحیت کو بے اثر کردیتے جو آج مخالفین کی طرف سے ملت کو مسلسل پیش آ رہی ہے (صفحہ ۱۱)

ایک جگہ سڑک کے کنارے ماروتی کچلی ہوئی پڑی تھی۔ اس کو دیکھ کر ہمارے ساتھی نے کہا کہ مسافروں کا کیا حال بنا ہوگا۔ ڈرائیور نے اس کو سن کر کہا: کوئی نہیں بچا ہوگا۔

اسی طرح راستہ میں کئی گاڑیاں کچلی ہوئی یا الٹی ہوئی نظر آئیں۔ یہ مشینی دور کے حادثات تھے۔ قدیم زمانہ میں بھی حادثات ہوتے تھے مگر مشین کے زمانہ نے حادثات کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔ اس دنیا میں ترقی حادثات اور مسائل میں اضافہ کرتی ہے۔ مگر آخرت کی دنیا وہ دنیا ہوگی جہاں ہر قسم کی بے حساب ترقیاں ہوں گی۔ لیکن مسائل اور حادثات وہاں یکسر ختم کردیے جائیں گے۔

دہلی سے ہم لوگ ۲ بجے روانہ ہوئے تھے۔ مسلسل سفر کرنے کے بعد ۵ بجے شام کو ہم لوگ "مرشد آباد" پہنچے۔ ہماری گاڑی سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک گیٹ کے سامنے کھڑی ہوئی۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس آہنی گیٹ کے اندر کیا ہے۔ گیٹ کھلا اور ہم لوگ اندر داخل ہوئے تو اچانک ایک وسیع اور خوب صورت دنیا ہمارے سامنے تھی۔

یہ ایک سرسبز و شاداب دنیا تھی جس کو گلاب اسٹوڈیو کہا جاتا ہے۔ اس کے احاطہ میں ایک خوب صورت مسجد بھی ہے۔ یہاں ہم نے عصر کی نماز ادا کی۔ اس کو دیکھ کر خیال آیا کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر یہ خواہش چھپی ہوئی ہے کہ وہ اپنے لیے ایک "گارڈن ہاؤس" بنائے۔ چنانچہ جس شخص کو بھی موقع ملتا ہے وہ فوراً اپنے لیے اس قسم کا ایک مکان تعمیر کرتا ہے جو درخت

اور پھول اور پارک کے درمیان کھڑا ہوا ہو۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے اور پھر معلوم ہوتا ہے کہ فطرت میں چھپی ہوئی یہ تمنا دراصل آخرت کی معیاری دنیا کے لیے ہے نہ کہ موجودہ ناقص دنیا کے لیے۔

"گلاب اسٹوڈیو" کے اونچے گیٹ پر اردو، ہندی، انگریزی میں لکھا ہوا تھا: محبت خدا ہے خدا ہے محبت۔ میں نے کہا کہ محبت خدا نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ خدا محبت کو پسند کرتا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تمام انسان ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ بن کر رہیں۔

مرشد آباد" چپ شاہ میاں" کے نام پر تعمیر کیا گیا ہے۔ پانچ سال پہلے ان کا انتقال مراد آباد میں ہو گیا۔ موت سے پہلے ساڑھے بارہ سال تک مسلسل وہ چپ رہے۔ اس زمانہ میں وہ صرف لکھ کر جواب دیتے تھے، اس لیے چپ شاہ میاں کہے جانے لگے۔ گلاب اسٹوڈیو (مرشد آباد) کے سپروائزر محمد نبی صاحب سے میں نے پوچھا کہ مذکورہ بزرگ چپ کیوں رہتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا: تپسیا کے لیے۔

اسلام میں زیادہ بولنا پسندیدہ نہیں۔ مگر تپسیا یا عبادت کے لیے چپ رہنا اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔ قرآن میں حضرت مریم کے بارہ میں ہے کہ مسیح کی پیدائش کے بعد وہ وقتی طور پر خاموش ہو گئی تھیں (مریم ۲۶) اس سے مفسرین نے یہ لیا ہے کہ یہودی شریعت میں چپ کا روزہ تھا۔ اس کے لیے بائبل کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے: اے بنی آدم خداوند کے حضور خاموش رہو کیوں کہ وہ اپنے مقدس مسکن سے اٹھا ہے (زکریاہ ۲: ۱۳)

یہ استدلال زیادہ طاقت ور نہیں۔ تاہم اگر یہودی شریعت میں چپ روزہ رہا ہو تو یقینی طور پر وہ محدود وقت کے لیے تھا، سالہا سال تک متواتر چپ رہنا یہ الہامی شریعتوں کے مزاج کے مطابق نہیں۔ البتہ ہندو روایات میں یہ قدیم زمانہ سے آج تک پایا جاتا ہے۔ اور مسلم صوفیوں نے یقینی طور پر اس کو ہندو روایات سے لیا ہے نہ کہ قرآن و سنت سے۔

ساڑھے چھ بجے شام کو ہم لوگ مراد آباد پہنچے۔ مغرب کی نماز مراد آباد میں پڑھی گئی۔ یہاں میرا قیام لاجپت نگر کے علاقہ میں عبد الرحمٰن صاحب کے مکان پر تھا۔ وہ یہاں ایک بینک میں منیجر ہیں۔

میرے میزبان نے مجھ سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کیا کھائیں گے۔ میں نے کہا کہ میں اس اصول کو مانتا ہوں کہ سادہ زندگی اور اونچی سوچ :

.Simple living, high thinking

کھانے کے معاملہ میں میرا کوئی شوق نہیں۔ اور دعوتی کھانے تو مجھے بیزاری کی حد تک ناپسند ہیں۔ جو کھانا سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ مل جائے وہی میرا سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا ہے۔

عجیب بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں علماء اور دین دار لوگ بھی سادہ کھانے کی سنت کو بالکل بھول گئے ہیں۔ لوگوں کے سفرناموں میں اکثر پر تکلف کھانے اور شان دار ناشتے کا ذکر ہوتا ہے۔ ایسی دعوتوں سے محظوظ ہونا تو درکنار مجھے کاغذ کے صفحہ پر بھی اس کو پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔

ایک دینی ماہنامہ میں ایک عالم کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب اور ضیافت کا تفصیلی تذکرہ پڑھا۔ مذکورہ عالم کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی اس روداد کا ایک حصہ یہ تھا :

" نقوی صاحب کے تعلق سے شادی کی اس پر بہار محفل میں احباب نے بڑے بڑے ادبی نکتے پیش کیے۔ ایک صاحب نے انھیں کھانے کی میز پر دوستوں کے ساتھ چہچہاتے ہوئے دیکھ کر علامہ اقبال کے اس شعر میں تصحیف کر ڈالی :

نشانِ مردِ مومن با تو گویم   چوں مرغ آید تبسم بر لب اوست

(مرد مومن کی پہچان یہ ہے کہ اس کے سامنے بھنا ہوا مرغ پیش کیا جائے تو مارے خوشی کے اس کا چہرہ دمک اٹھے)
ایک دوست نے ٹوکا کہ اقبال نے "مرغ" نہیں "مرگ" کہا ہے تو ارکانِ بزم نے کہا کہ بے چارے مرغ کی مرگ ہی کے صدقے میں نقوی صاحب کو چہچہانے کا موقع ملا ہے۔ زندہ مرغ کی کیا وہ چونچ سے مشق آزمائی کرتے (البلاغ، دسمبر ۱۹۹۵، صفحہ ۵۴)

مرادآباد یوپی کا ایک صنعتی شہر ہے۔ وہ رام گنگا کے کنارے واقع ہے۔ مرادآباد کو مغل حاکم رستم خاں نے ۱۶۲۵ء میں بسایا تھا۔ شہر کے شمال کا قدیم قلعہ اور جامع مسجد رستم خان کی تعمیری یادگار کے طور پر ابھی تک باقی ہیں۔

شہری زندگی کو ایک طریق زندگی (way of life) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام میں اجتماعیت اور منظم زندگی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ مومنانہ زندگی شہر ہی میں

زیادہ بہتر طور پر گزاری جاسکتی ہے :

...the good Muslim life could be properly lived only in a town.(3/642)

غالباً یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب دنیا میں پھیلے تو انھوں نے جگہ جگہ بستیاں اور شہر تعمیر کیے۔ اب بھی زیادہ تر شہروں ہی میں مسلمانوں کا ارتکاز پایا جاتا ہے۔

۹ مارچ کی شام کو عبدالرحمٰن صاحب کے مکان پر کئی آدمی آگئے۔ اس طرح مجلس کے انداز میں دیر تک اسلامی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ یہ مجلس رات کو دیر تک جاری رہی۔

ہم لوگ گفتگو میں مشغول تھے۔ اچانک باہر سے پٹاخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ بنگلور میں ہونے والے کرکٹ میچ کے کوارٹر فائنل میں انڈیا اور پاکستان کا مقابلہ تھا، اس میں انڈیا جیت گیا۔ چنانچہ لڑکے پٹاخہ چھوڑ کر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

۱۲ مارچ کو ایک خصوصی ہوائی جہاز پاکستانی کھلاڑیوں کو لے کر بنگلور سے لاہور پہنچا۔ تاہم وہ خود اپنے ملک کے ایرپورٹ پر اتر نہ سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوارٹر فائنل (quarter-final) میں شکست کی خبر سن کر پاکستانی نوجوان بڑی تعداد میں لاہور ایرپورٹ پر اکھٹا ہو گئے۔ وہ سخت غصہ میں تھے اور اپنے ساتھ گندے انڈے لائے تھے تاکہ پاکستانی ٹیم کے ممبروں پر اسے پھینک کر ان کا استقبال کریں۔

اس ماحول کو دیکھ کر ذمہ داروں نے پاکستانی ٹیم کا جہاز فضا ہی سے واپس کر کے اسے کراچی بھیج دیا۔ اس کے بعد پاکستانی نوجوانوں نے ایرپورٹ پر ہنگامہ کیا۔ انھوں نے پاکستانی ٹیم کے لیڈر وسیم اکرم کا پتلا جلایا۔ لاہور میں وسیم اکرم کے مکان پر پہنچ کر اس پر پتھر پھینکے اور توڑ پھوڑ کی۔ بعد کو مسٹر وسیم اکرم نے بتایا کہ انھیں ٹیلی فون پر موت کی دھمکی مل رہی ہے۔

اس کے بعد ۱۳ مارچ کو دوسرا واقعہ ہوا۔ اس بار کلکتہ میں ولس ورلڈ کپ (Wills World Cup) کے سیمی فائنل مقابلہ میں انڈیا کی کرکٹ ٹیم کو سری لنکا کی کرکٹ ٹیم نے ہرا دیا۔ اس پر ایڈن گارڈن کے اسٹیڈیم میں ہندستانی تماشائیوں نے زبردست ہنگامہ کیا۔ سارا اسٹیڈیم اچانک توڑ پھوڑ کا منظر پیش کرنے لگا۔ اخباری رپورٹ کے مطابق، دونوں ملکوں میں کئی لوگوں نے اپنے ٹی وی سیٹ توڑ ڈالے اور پھر خودکشی کر لی۔

میچ کی ہار جیت صرف ٹیموں کی ہار جیت ہے، وہ ملکوں کی ہار جیت نہیں۔ مگر موجودہ زمانہ میں، خاص طور پر ایشیائی ملکوں میں اس کو انتہائی غیر ضروری طور پر ملکوں کی ہار جیت بنا دیا گیا ہے۔ ہندستان کی کرکٹ ٹیم بنگلور کے کوارٹر فائنل میں جیتی تو اس کی خبر اخباروں میں ان الفاظ میں چھپی کہ ہندستان نے پاکستان کو ذلت آمیز شکست دی۔ اس کے بعد کلکتہ کے سیمی فائنل میں جو واقعہ ہوا تو ٹائمس آف انڈیا (۱۴ مارچ ۱۹۹۶) نے صفحہ اول کی پہلی سرخی اس طرح لگائی ——— سری لنکا نے انڈیا کو کچل دیا :

Sri Lankans crush India

ایک مبصر کے الفاظ میں، یہ اسپورٹنگ سلوک (sporting behaviour) نہیں ہے بلکہ فسادی سلوک (riotous behaviour) کا مظاہرہ ہے۔

بنگلور میں ہندستان اور پاکستان کے درمیان جو میچ ہوا اس موقع پر پاکستان کے اخباروں میں اس قسم کی رپورٹیں چھپی۔ گویا یہ دو ٹیموں کا کھیل نہیں ہے بلکہ دو ملکوں کی زندگی و موت کی جنگ ہے۔ مثلاً پاکستانی روزنامہ نوائے وقت (۹ مارچ ۱۹۹۶) کے صفحہ اول کی ایک رپورٹ کی سرخی یہ تھی : پاکستان آج بھارت سے ٹکرائے گا۔ اسی بات کو روزنامہ قومی آواز (۱۰ مارچ ۱۹۹۶) کے ایک مضمون میں ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا تھا : کھیل کے میدان پر قوموں کی جنگ۔ اس قسم کی سنسنی خیز رپورٹنگ ہلاکت خیز حد تک غلط ہیں۔ یہ دونوں ہی ملکوں میں رائج ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ بنگلور کی شکست نے پاکستان کا مذکورہ حال کیا، اور اس کے بعد کلکتہ کی شکست نے ہندستان کا۔

کھیل کی اسپرٹ یہ ہے کہ لوگ آپس میں مقابلہ کریں۔ مگر اس کے بعد وہ ہار جیت سے اوپر اٹھ کر آپس میں ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں۔ مگر آج عملاً اس کے برعکس پیش آ رہا ہے۔ کھیل کا میچ دو دشمنوں کے درمیان جنگ کے ہم معنی بن گیا ہے۔

مراد آباد سے ایک روزنامہ آئینہ عالم نکلتا ہے۔ اس کے شمارہ ۱۰ مارچ میں یہ خبر تھی کہ تھانہ کوتوالی کے تحت منڈی چوک میں رات کو ہندستانی ٹیم کے ذریعہ پاکستانی ٹیم کو شکست دینے پر کرکٹ شائقین نے نعرے بازی کی جس پر پولس نے لاٹھی چارج کر دیا۔ اس میں تقریباً چار افراد

زخمی ہوئے۔ شہر میں جیت کی خوشی میں پٹاخے چھوڑے گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ نوجوان نعرے بازی کرتے ہوئے جلوس کی شکل میں دوسرے فرقہ کے محلہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اس پر پولس نے لاٹھی چارج کیا۔

ایک اردو ہفت روزہ کا شمارہ ۱۴ مارچ ۱۹۹۶ دیکھا۔ اس کے صفحہ اول پر ایک خبر تھی۔ اس کی سرخی لال رنگ میں اس طرح چھپی ہوئی تھی: فرقہ وارانہ فسادات کی سازش۔

میں نے جناب عبدالرحمٰن مراد آبادی (۳۶ سال) سے کہا کہ اس سرخی پر تبصرہ کیجئے۔ انھوں نے کہا: جب سازش کا پتہ لگ گیا تو فوراً اس کو ناکام کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ سازش سازش کا شور مچانے سے کیا فائدہ۔

عبدالرحمٰن صاحب مراد آباد کے ایک بینک میں مینجر ہیں۔ ان کا یہ تبصرہ فطرت کا تبصرہ تھا۔ مصلح اگر سنجیدہ ہے تو یقیناً وہ یہی کرے گا کہ سازش کا علم ہونے کے بعد وہ اس کو ناکام کرنے کی تدبیر کرے گا۔ جب وہ اپنی حکیمانہ تدبیر کے ذریعہ اس کو ناکام کر چکا ہوگا تو اس وقت وہ دنیا کو بتائے گا کہ دیکھو، یہ ہے سازش کو ختم کرنے کا طریقہ۔

مراد آباد کے ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں کے ایک تعلیم یافتہ نے امریکہ کا سفر کیا۔ واپسی کے بعد میں نے پوچھا کہ امریکہ اور ہندستان میں آپ نے کیا فرق دیکھا۔ انھوں نے کہا: وہاں خدا کا گناہ ہے، یہاں بندوں کا گناہ۔ وہاں کے لوگ خدا کے حکم کو توڑتے ہیں، مگر وہ انسان کو نہیں ستاتے۔ یہاں کے لوگ خدا کے حکم کو تو مانتے ہیں، مگر وہ انسان کو ستانے سے باز نہیں آتے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ منافقت کیا ہے۔ میں نے کہا کہ منافقت نام ہے ڈبل کریڈٹ لینے کا۔ مثلاً آپ جہاد کی باتیں کریں مگر عملی طور پر جہاد میں شریک نہ ہوں۔ زبان سے اپنے آپ کو جہاد پسند بتائیں اور عملاً اپنے آپ کو اور اپنے بیٹوں کو جہاد کے میدان سے دور رکھیں۔

غلام مصطفیٰ رحیمی (۶۲ سال) نے بتایا کہ میں الرسالہ کے اس نظریہ سے مکمل طور پر متفق ہوں کہ فرقہ وارانہ فسادات کا قابل عمل حل صرف ایک ہے، اور وہ صبر اور حکمت ہے۔ اس

سلسلہ میں انھوں نے اپنے کئی واقعات بتائے۔ مثلاً ایک بار ایسا ہوا کہ یہاں کی ایک مسجد میں کسی شریر آدمی نے خنزیر کا گوشت ڈال دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان مسجد میں خنزیر کو دیکھ کر بھڑک اٹھیں گے اور پھر انھیں فساد کرنے اور لوٹ مار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر رحیمی صاحب نے خاموشی کے ساتھ گوشت کو اٹھا کر دور گڑھے میں ڈال دیا اور مسجد کو پانی سے دھو دیا۔ اس طرح سازش کرنے والوں کی سازش پہلے ہی مرحلہ میں ناکام ہوگئی۔ انھیں ڈی ایس پی کی طرف سے ایک سرٹیفکٹ دیا گیا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

Ashok Misra
Deputy S. P.

Phone : 3055
MORADABAD-244001

I feel great pleasure to certify that Shri Ghulam Mustufa Rahimi s/O mohalla Peerzada, thana Katghar, Moradabad showed his great adventure at Eid Ghah on 13.8.1980, when the rash mob was indulged in brickbatting the police, Police Officers and Civil Officers. The courage of the aforesaid gentleman saved many officers from brickbats and injuries. Primarilly he tried to check the mob from doing so. When he found himself unable to control the mob, he, at the cost of his life, tried for the safe guard of the officers. I highly appreciate his adventurous efforts.

We must be proud of such selfless, non political and non-communal brave citisen of clear heart and mind.

I wish him every success in his life.

Ashok Mishra
(Deputy S.P.)

(अशोक कुमार मिश्र)
[illegible] क्षेत्राधिकारी नगर
मुरादाबाद

ایک صاحب نے کہا کہ آپ جس نظریہ کی تبلیغ کرتے ہیں اس کو ہندستان کے کتنے مسلمان مانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سارے ہی مسلمان مانتے ہیں۔ غالباً کوئی ایک بھی ایسا مسلمان نہیں جو میری بات کو نہ مانتا ہو۔

ان کو اچنبھا ہوا۔ میں نے کہا کہ اس میں اچنبھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کہتا ہوں وہ عین فطرت کی بات ہے، پھر کون ہے جو فطرت کو رد کر سکے۔ میں صبر و تحمل کی بات کرتا ہوں۔

صبر و تحمل تو اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ناگزیر ہے۔ گھر سنبھالنے کے لیے، دکان چلانے کے لیے۔ کوئی بھی ادارہ چلانے کے لیے صبر و تحمل لازمی شرط ہے۔ اس کے بغیر کوئی کامیابی ممکن ہی نہیں۔ پھر کون ہے جو اس کو رد کر سکے۔

مراد آباد کی ایک سڑک پر چلتے ہوئے ایک چھوٹے سے پارک پر ایک تختی لگی ہوئی نظر آئی۔ اس پر لکھا تھا: جگر ایکشن کمیٹی۔ اس کو دیکھ کر یاد آیا کہ مشہور شاعر جگر اسی مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ابتداءً وہ عینک بیچتے تھے۔ پھر ایک ذاتی حادثہ نے انھیں شاعر بنا دیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں دیکھ رہا تھا کہ اس میں جگر کے بارہ میں کچھ ہے۔ اس میں جگر کا نام تو نہیں تھا، البتہ وہاں "جہاد" کا لفظ نظر پڑا۔ جہاد کی تشریح میں اس کا پہلا جملہ یہ تھا کہ جہاد ایک مذہبی ذمہ داری ہے جو مسلمانوں پر اس لیے عائد کی گئی ہے کہ وہ جنگ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کریں:

Jihad, religious duty imposed on Muslims to spread Islam by waging war. (V/558)

جہاد کا یہ تصور اسلام کو ایک جنونی مذہب ثابت کرتا ہے، مگر اس کے ذمہ دار مستشرقین نہیں ہیں بلکہ موجودہ زمانہ کے وہ نام نہاد اسلامی مفکرین ہیں جنھوں نے اسلام کی جنگی تفسیر کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم نوجوان ساری دنیا میں لڑنے بھڑنے لگے اور اس طرح دوسروں کو اسلام کی غلط تصویر کشی کا موقع مل گیا۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں ظلم کو برداشت کرنا گناہ ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو اپنی بات کے لیے ہمیشہ آیت اور حدیث نقل کرتا ہوں۔ آپ بتائیے کہ قرآن و حدیث میں کہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ ظلم کو برداشت کرنا گناہ ہے۔ وہ کوئی آیت یا حدیث پیش نہ کر سکے۔ تاہم ان کی بحث جاری رہی۔ آخر میں میں نے کہا کہ یہ بات اگر آپ اسلام کے حوالے سے فرما رہے ہیں تو اس کی کوئی دلیل آپ کے پاس نہیں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ اسلام کا لفظ نہ بولیں بلکہ خود اپنی بات کے طور پر اسے بیان کریں۔

مرادآباد میں میرا قیام لاجپت نگر میں تھا۔ یہ ایک نئی کالونی ہے اور اس کے بیشتر رہنے والے ہندو لوگ ہیں۔ یہاں صاف ستھرے مکانات ہیں۔ چوڑی سڑکیں ہیں صفائی کا اہتمام ہے۔ فضائی کثافت بھی بہت کم ہے۔ اس کے برعکس حال ان محلوں کا ہے جہاں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں، یہاں خستہ مکانات، تنگ راستے، ہر طرف کوڑا اور گندگی۔ پوری فضا میں بدبو پھیلی ہوئی۔ کچھ مسلمان جن کے پاس زیادہ دولت آگئی ہے، انھوں نے باہر کے علاقوں میں اچھے مکانات بنا لیے ہیں۔ مگر عام مسلمانوں کا حال وہی ہے جو بیان ہوا۔

اس صورت حال کا سب سے زیادہ دردناک پہلو یہ ہے کہ اس طرح کے ماحول میں رہنا ہمیشہ فکر وخیال میں سطحیت پیدا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یہی حال مرادآباد کے ان علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کا ہے اور اسی طرح دوسرے شہروں، مثلاً پرانی دہلی میں رہنے والے مسلمانوں کا۔

مرادآباد میں اگست ۱۹۸۰ میں فساد ہوا تھا جس میں مسلمانوں کا شدید نقصان ہوا۔ تاہم اس سے مسلمانوں میں عمل کا نیا جذبہ بھی بیدار ہوا۔ اس کی کئی مثالیں یہاں سننے اور دیکھنے کو ملیں۔ ایک مثال یہ ہے کہ یہاں کے ایک تاجر حاجی ابوالحسن صاحب ۱۹۸۳ میں اپنے گھر کے کچھ بچوں کو مقامی ولسونیا اسکول میں داخل کرنا چاہتے تھے، مگر ان کو وہاں داخلہ نہیں ملا۔ حاجی ابوالحسن صاحب اس سے بددل نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ایک اسکول کھولیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ذاتی کوشش سے ۱۹۸۳ میں ایک نیا اسکول قائم کیا جس کا نام ماڈرن پبلک اسکول ہے۔ اِس وقت وہ معیار کے اعتبار سے نمبر ایک اسکول سمجھا جاتا ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ اس سے مسلمانوں کو کیا فائدہ، جب کہ اس میں ۵۰ فی صد طلبہ غیر مسلم ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں مسلمانوں کو رعایتی داخلہ دیا جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ یہ دنیا مقابلہ کی دنیا ہے۔ یہاں رعایت کا مطلب خودکشی ہے۔ آپ کو اپنے بچوں کو مقابلہ کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ رعایت محض ایک خیالی لفظ ہے، عملی زندگی میں اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں۔

ایک صاحب نے بتایا کہ مراد آباد میں جو پیسہ والے مسلمان ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ تم اتنا زیادہ کس لیے اکٹھا کر رہے ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے: اس لیے کہ بچے آرام سے رہیں۔

میں نے کہا کہ بچوں کے آرام کے لیے جو لوگ دولت اور جائداد اکٹھا کریں وہ خود اپنی اولاد کے لیے کوئی عقل مندی نہیں کر رہے ہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ بے محنت کے ملی ہوئی دولت آدمی کے اخلاق کو بگاڑتی ہے۔ وہ اس کے اندر سطحیت، حتی کہ آوارگی پیدا کر دیتی ہے۔ بچوں کے ساتھ سب سے پہلی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو اعلیٰ تعلیم دلائی جائے، اور اس کے بعد دوسری ضرورت یہ ہے کہ ان کو محنت کے راستہ پر ڈالا جائے۔

میں نے یہاں کے ایک تعلیم یافتہ مسلمان سے پوچھا کہ مراد آباد کے مسلمان اگلے الکشن (اپریل ۱۹۹۶) میں کس کو ووٹ دیں گے۔ انھوں نے جواب دیا: مراد آباد کے مسلمان اس کو ووٹ دیتے ہیں جو مسلمانوں کا گن گاتے ہیں۔

یہ جواب موجودہ مسلمانوں کی نفسیاتی کمزوری کو بتاتا ہے۔ وہ نصیحت کی بات، داخلی کوتاہیوں کی اصلاح کی بات کو ناپسند کرتے ہیں۔ البتہ جو شخص بڑے بڑے الفاظ بول کر انھیں ہوائی توقعات کا سبز باغ دکھائے اس کو اپنا ہمدرد سمجھ کر اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ یہ ٹھیک وہی نفسیات ہے جس میں یہود اپنے دور زوال میں مبتلا ہوئے۔ وہ ان افراد کو پسند کرنے لگے جو انھیں جھوٹی امید دلائیں (یرمیاہ ۳۰: ۳۱) اور فرضی طور پر اچھی باتیں سنائیں۔ مسلمان اپنی اسی نفسیات کی بنا پر لمبی مدت سے سطحی لیڈروں کے استحصال کا شکار بنے ہوئے ہیں۔

مراد آباد میں ہزاروں چیزیں بنتی ہیں۔ یہ زیادہ تر گفٹ آئٹم ہوتے ہیں جو براس (پیتل) کے ذریعہ تیار کیے جاتے ہیں۔ براس خود کوئی مستقل دھات نہیں ہے۔ وہ دراصل مرکب دھات (alloy) ہے جو کاپر اور زنک کو ملانے سے تیار ہوتا ہے۔

مرکب دھات بنانے کا طریقہ قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ مثلاً کاپر اور زنک کو ملا کر براس بنانے کا طریقہ حضرت مسیح سے ہزار سال پہلے موجود تھا۔ یہ تاریخ کا ایک حیرت انگیز سوال ہے کہ

دو یا تین دھاتوں کو ملا کر ایک نئی زیادہ کارآمد دھات بنانے کا طریقہ انسان نے کس طرح جانا۔ اس موضوع کی تحقیق کرنے والے عام طور پر اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان کی اتفاقی ملاوٹ (accidental mixing) کے نتیجہ میں اس کی دریافت ہوئی۔ یا وہ کچی دھات کو پگھلا کر صاف کرنے کے دوران غیر ارادی طور پر بن جانے والے مخلوط (unintentionally smelted mixture) کے ذریعہ انسان کے علم میں آئی۔ مگر یہ انتہائی انوکھا قیاس ہے۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ یہ ابتدائی علم پیغمبروں کے ذریعہ انسان کو دیا گیا۔

عبدالرحمٰن صاحب مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں۔ ان کے کمرہ کی الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی نظر آئیں۔ کچھ کتابیں دیکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب حسب ذیل تھی:

> *100 Great Books*, by John Canning, Souvenir Press Ltd., London, 1974.

۶۴۰ صفحہ کی یہ کتاب دہلی کی روپا کمپنی (پٹودی ہاوس روڈ، دریا گنج) نے ۱۹۸۴ میں شائع کی ہے۔

اس کتاب میں جن عالمی کتابوں کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک قرآن ہے۔ یہ باب ان الفاظ پر ختم ہوا ہے —— یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ قرآن، جس کو مسلمان افضل کتاب سمجھتے ہیں، وہ آج بھی انھیں اصل الفاظ پر مشتمل ہے جو صدیوں پہلے محمدؐ نے خدائے واحد کے پیغمبر کی حیثیت سے ادا کیا تھا:

> There is no reason to doubt that in the "Excellent Book," as the Moslems call the Koran, we have the actual words that Mohammed used, when, all those many centuries ago, he uttered his pronouncements as the Messenger or Apostle of Allah, the One Most High God. (p. 83)

جناب عبدالرحمٰن صاحب کے صاحبزادے نشاط رحمٰن (۱۲ سال) نے کہا کہ آپ یہ بتائیے آپ الرسالہ لکھتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ بچوں کے لیے بھی کوئی اس طرح کی کتاب نکالنا چاہیے جب کہ الرسالہ بڑوں کے لیے ہے۔ اگر آپ کچھ لکھیں بچوں کے لیے تو اس کا ٹائٹل رکھیے گا۔ بچپن۔

میں نے کہا کہ ایک کام میں نے کیا، اب دوسرا کام آپ کریں گے۔ اگر سب کام میں

ہی کرڈالوں تو آپ کے کرنے کے لیے کیا رہے گا

جناب عبدالرحمٰن صاحب کی بڑی صاحبزادی جامعۃ الصالحات (رام پور) میں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ وہ الرسالہ کی مستقل قاری ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ ۲۵ سال سے الرسالہ نکال رہے ہیں اور ہر مہینہ نئے نئے مضامین اس میں چھاپتے ہیں۔ آخر آپ اتنے زمانہ سے نئے نئے مضامین کیسے لکھتے ہیں۔

میں نے کہا کہ دنیا میں ہر کام خدا کی مدد سے ہوتا ہے۔ انسان کے پاس اپنی کوئی طاقت نہیں۔ الرسالہ کے تمام مضامین دعا کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آپ خدا سے دعا کیجئے، آپ بھی ایسا ہی پرچہ نکالنے لگیں گی۔

۱۰ مارچ کی صبح کو سوا پانچ بجے مسجدوں سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدائیں آنے لگیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پوری فضا میں گونج اٹھی۔ اذان کی آواز سن کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے کہا کہ تقسیم (۱۹۴۷) مسلمانوں کے لیے ایک قومی خودکشی تھی۔ مگر یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اس ہمالیائی حماقت کے باوجود مسلمانوں کو اس ملک میں زندگی کے تمام مواقع فراوانی کے ساتھ دوبارہ عطا کر دیے۔

ملکی تقسیم کے اس دردناک پہلو کا اعتراف خود اس کے لیڈروں نے کیا تھا مسٹر محمد علی جناح نے ٹھیک آج ہی کی تاریخ (۱۰ مارچ ۱۹۴۱) کو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں ایک تقریر کی تھی۔ اس میں انھوں نے کہا :

• مسلم اقلیت کے صوبوں میں رہنے والے مسلمان خوددار اور بلند حوصلہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں رہنے والے بھائیوں کی نجات و آزادی کی خاطر ہم ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار ہیں (حوالہ، نوائے وقت لاہور، ۲۴ فروری ۱۹۹۶)

عبدالرحمٰن صاحب اور میں وضو کر کے گھر سے نکلے۔ چلتے ہوئے ہم "ایک رات والی مسجد" میں پہنچے۔ یہاں ہم نے فجر کی نماز پڑھی۔ ہم دونوں اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ سوا چھ بجے امام صاحب حجرہ سے نکل کر آئے اور مصلے پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے کسی قدر تحکمانہ انداز میں کہا : چادر ہٹا دیجئے، اسمیٹ کر رکھ دیجئے۔ ہم نے فوراً اس کی تعمیل کی۔

اذان اور نماز کے درمیان لاوڈ اسپیکر پر دوبار یہ الفاظ سنائی دیے : الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حجۃ اللہ۔ میں نے سوچا کہ نماز میں چادر اوڑھنا تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ مگر اذان اور نماز کے درمیان مسجد میں مذکورہ کلمات ادا کرنا ضرور قابلِ اعتراض ہے، کیوں کہ وہ بدعت ہے۔ تاہم میں خاموش رہا۔ کیوں کہ میں جانتا تھا کہ یہاں دلیل بیان کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

امام صاحب نے نماز میں سورہ والنجم کی تلاوت کی۔ اس کو پڑھتے ہوئے وہ اس آیت تک پہنچے : افرأیتم اللات والعزیٰ۔ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ۔ مجھے یاد آیا کہ اس موقع پر عرب مشرکین نے ایک فتنہ بنایا تھا۔ انھوں نے اس کے بعد اپنی طرف سے یہ الفاظ ملا دیے : تلک الغرانیق العلیٰ۔ وان شفاعتھم لترتجیٰ۔ (یہ بہت بڑی ہستیاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے) اور پھر مشہور کر دیا کہ یہ الفاظ خود محمدؐ نے اپنی زبان سے کہے ہیں۔ اس طرح انھوں نے داعیٔ توحید کو حامیٔ شرک کے روپ میں پیش کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ ٹھیک یہی طریقہ موجودہ زمانہ کے کچھ مسلمانوں نے میرے خلاف اختیار کیا ہے۔ وہ میری بات میں اپنی بات ملا کر اس کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں اور اس طرح مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے بعد میں نے کہا تھا کہ : مسلمان بابری مسجد کے بارہ میں اپنے ایجی ٹیشن کو ختم کر دیں۔ اور ہندو اپنی مندر۔ مسجد تحریک کو اجودھیا ہی میں ہمیشہ کے لیے اسٹاپ کر دیں (الرسالہ مئی ۱۹۹۳، صفحہ ۴)

مگر ملت کے ان خود ساختہ نمائندوں نے اس کو بدل کر یہ کہہ دیا کہ مسلمان بابری مسجد کو ہندوؤں کے حوالے کر دیں۔

° ایک رات والی مسجد " میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم لوگ مقامی عیدگاہ میں گئے جہاں ۱۳ اگست ۱۹۸۰ کو فساد ہوا تھا۔ عیدگاہ کے پختہ اور بلند حصہ کے باہر زیادہ بڑے رقبہ میں کچا میدان ہے جو سڑک سے ملا ہوا ہے۔ یہاں سڑک اور عیدگاہ کے درمیان ایک چوڑا لمبا نالہ بہتا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو تین خنزیر عیدگاہ کے سامنے اس نالہ کے کنارے موجود تھے۔ اطراف میں بھی کئی خنزیر دکھائی دیے۔

عید کے دن یہ ہوا کہ کھلے میدان والے حصہ میں جہاں لوگ چادر بچھا کر نماز ادا کر رہے تھے، ایک خنزیر اندر آ گیا۔ اس وقت سلام پھیرنے کے بعد لوگ اپنی چادروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ خنزیر چلتے ہوئے ایک مسلمان کی چادر سے گزرا جس سے چادر گندی ہو گئی۔ پاس ہی پولس کے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ مسلمان نے غصہ ہو کر پولس والے سے کہا: الو کے پٹھے، دیکھتے نہیں، تم یہاں کس لیے کھڑے ہو۔ اس کو روکا کیوں نہیں۔ اس کے بعد پولس نے بھی بگڑ کر کہا کہ ہم اس لیے یہاں نہیں کھڑے ہیں۔ تکرار بڑھی تو پولس والے نے اپنی بندوق کے کندے سے مسلمان کو مار دیا۔ اس کے بعد بات اور بڑھی۔ مسلمانوں نے پولس پر پتھراؤ شروع کر دیا جس سے کئی پولس کے آدمی زخمی ہو گئے۔ اب مزید غصہ بڑھا۔ اور پولس نے براہ راست فائرنگ شروع کر دی جو بڑی تعداد میں وہاں موجود تھی۔

اس کے بعد زبردست فساد ہوا۔ مسلمانوں کی اقتصادیات تباہ ہو گئی۔ اس بربادی کا اثر تقریباً پانچ سال تک رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دوبارہ اٹھنا شروع کیا۔

صاحب خانہ آج صبح کو کچھ اخبارات لے آئے۔ ان میں سے ایک ٹائمس آف انڈیا (۱۱ مارچ) تھا۔ اس کے صفحہ اول پر صدر کانگرس اور وزیر اعظم مسٹر نرسمہا راؤ کی ایک تقریر کی رپورٹنگ تھی۔ اگلے مہینہ (اپریل ۱۹۹۶) میں ملک میں دسویں لوک سبھا کے لیے الکشن ہونے والا ہے۔ اس کے پیش نظر انھوں نے کہا کہ مجھ کو استحکام دو، میں تم کو خوش حالی دوں گا:

Give me stability, I will give you prosperity.

میں نے کہا کہ یہ ایک برعکس بات ہے۔ آج اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کانگرس کو سیاسی استحکام دیا جائے تو وہ ملک کو معاشی خوش حالی دے گی۔ بلکہ اصل غور طلب بات یہ ہے کہ آزادی (۱۹۴۷) کے بعد لمبے عرصہ تک کانگرس کو سیاسی استحکام ملا، اس کے باوجود وہ ملک کو معاشی خوش حالی نہ دے سکی۔

میں نے کہا کہ ساوتھ کوریا ایک بے حد چھوٹا ملک ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ تیس سال پہلے اس کی فی کس آمدنی ساٹھ ڈالر تھی، آج کوریا کی فی کس آمدنی دس ہزار ڈالر ہے۔ آج اصل غور طلب سوال یہ ہے کہ کوریا اور انڈیا میں یہ فرق کیوں۔ حالانکہ کوریا میں آج بھی امریکہ کی فوجیں موجود ہیں۔

گویا ساؤتھ کوریا آج بھی "سیاسی غلام" ہے۔ جب کہ ہندستان کو یہ فخر ہے کہ وہ مکمل طور پر ایک آزاد ملک بن چکا ہے۔

اسی طرح ہندستان ٹائمس (۱۰ مارچ) میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے جنرل سکریٹری بدھا پریا موریا کا ایک انٹرویو تھا۔ اس میں انھوں نے کہا تھا کہ نرسمہا راؤ کو یہ مہارت حاصل ہے کہ وہ اقتدار میں کس طرح قائم رہیں:

Narasimha Rao has the technical know-how to stay in power.

میں نے کہا کہ یہی ہمارے ملک کا سیاسی المیہ ہے۔ ہمارے ملک کے لیڈروں کو صرف اس فن کا ماہر بننے سے دل چسپی ہے کہ وہ کس طرح الکشن جیتیں اور پھر کس طرح اپنے سیاسی اقتدار کو باقی رکھیں۔ ان کو اس سے کوئی دل چسپی ہی نہیں کہ ملک ترقی کی طرف جائے۔ ملک کے عوام کی معاشی اور سماجی حالت بہتر ہو۔ آج کا اصل مسئلہ اس سیاسی مزاج کو بدلنا ہے نہ کہ اِس پارٹی یا اُس پارٹی کے ہاتھ میں اقتدار دینا۔

مراد آباد کے جس مکان میں میں ٹھہرا تھا، اس کے گراؤنڈ فلور پر ایک صاحب رہتے ہیں۔ اس سفر میں پہلی بار ان سے واقفیت ہوئی:

M.A.I. Faizi, Faizi Lodge, B-600 Lajpat Nagar
Moradabad-244001 (Tel. 0591-315402, 315403)

۱۰ مارچ کی صبح کو مسٹر فیضی اپنے بزرگ والد مولانا عبد الرزاق صاحب کو لے کر آئے۔ موصوف ۱۹۱۱ میں خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۷ سے وہ مراد آباد میں اپنے صاحبزادہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس سے پہلے میں ان کو نہیں جانتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے آپ سے ملنے کی بہت خواہش تھی۔ آج اللہ کے فضل سے اس کا موقع مل گیا۔

مولانا عبد الرزاق صاحب نے موجودہ زمانہ کے تمام علماء اور مفکرین کو پڑھا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے وہ خصوصی مداح ہیں اور ان سے اتفاق رکھتے ہیں۔ میرے بارہ میں بار بار وہ کہتے رہے کہ "آپ ان کے شاگرد تھے۔ مگر خدا نے آپ کو ان سے بھی آگے بڑھا دیا۔ گرو گڑ رہ گئے، چیلا شکر ہو گئے"۔

آپ راستہ چلتے ہوئے سڑک کے کنارے ایک شاندار بلڈنگ دیکھتے ہیں جو فرنیچر اور دوسری تمام ضروریات کے ساتھ آراستہ ہے۔ اس بلڈنگ کے بارہ میں آپ کبھی یہ شبہ نہیں کر سکتے کہ اس کو آرکیٹکٹ نے تیار کرایا ہے۔ یہاں آپ کے لیے انتخاب بلڈنگ مع انجینیر اور بلڈنگ بغیر انجینیر میں نہیں ہے بلکہ اصل انتخاب بلڈنگ مع انجینیر اور غیر موجود بلڈنگ میں ہے۔ چونکہ آپ غیر موجود بلڈنگ کا چوائس نہیں لے سکتے، اس لیے آپ مجبور ہیں کہ بلڈنگ مع انجینیر کا چوائس لیں۔

ٹھیک یہی معاملہ خدا کا ہے۔ بلڈنگ ہی کی مانند آپ اپنے کو اور ایک عظیم کائنات کو دیکھ رہے ہیں۔

The choice is not between universe with God and universe without God. The real choice is between universe with God or no universe at all.

چونکہ آپ کائنات کا انکار نہیں کر سکتے، اس لیے آپ مجبور ہیں کہ خدا کو مانیں۔ جس طرح آپ بلڈنگ کا انکار نہ کرنے کی وجہ سے اس کے انجینیر کو ماننے پر مجبور ہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ میرے پاس الرسالہ کیسٹ کا سیٹ ہے۔ میں ان کو بہت سے لوگوں کو سنا چکا ہوں۔ لوگ سن کر پسند کرتے ہیں اور اتفاق کرتے ہیں۔ مگر ان میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے اندر بے حسی آتی جا رہی ہے۔ آخر جس چیز سے وہ اتفاق کرتے ہیں اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعتراف سب سے اعلیٰ انسانی صفت ہے۔ انسانیت کی بلندی یہ ہے کہ جس نقطۂ نظر کو آدمی صحیح سمجھے اس کو عملی طور پر اپنی زندگی میں اختیار کرلے۔ کسی انسان کے زندہ یا مردہ ہونے کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے۔

امر اجالا (۱۱ مارچ ۱۹۹۶) میں ایک مضمون کھیل کے بارے میں تھا۔ اس کا عنوان تھا: صحیح اسٹریٹجی ہی جتائے گی۔ اس کو دیکھ کر میں نے کہا کہ یہ صرف کھیل کے میدان کی بات نہیں ہے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں کامیابی کا راز صرف ایک ہے، اور وہ صحیح تدبیر ہے۔ غلط تدبیر اس دنیا میں ہمیشہ ناکام ہوتی ہے اور صحیح تدبیر ہمیشہ کامیاب۔

مراد آباد سے شمسی برادری (پنجابی برادری) کا ایک ماہنامہ نکلتا ہے۔ اس کا نام شمسی آواز

ہے۔ اس کے شمارہ مارچ ۱۹۹۶ میں ایک مضمون (سفرنامہ مرادآباد) تھا۔ مضمون نگار نے بتایا تھا کہ مرادآباد میں شمسی برادری کے بہت سے ادارے ہیں۔ مگر کسی میں بھی عہدوں کا جھگڑا نہیں ہوتا۔

" حیرت کی بات ہے کہ یہاں جو فلاحی یا رفاہی ادارے ہیں، ان میں سے کسی میں بھی عہدوں کی لڑائی نہیں۔ یہاں ایک مثالی مسافر خانہ ہے۔ مگر مسافر خانہ کے سو سال پورے ہونے تک صرف تین ناظم رہے۔ اسی طرح مدرسہ امدادیہ میں نصف صدی تک ایک ہی مہتمم رہے"۔ مدیر شمسی آواز نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ یہاں کبھی عہدوں کی لڑائی نہیں ہوئی۔

چھوٹی برادریوں میں اکثر اس قسم کی صفات پائی جاتی ہیں۔ مگر وسیع تر امت میں یہ ماحول موجود نہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ برادریاں اپنی روایات پر چل رہی ہیں۔ ان کی روایات ٹوٹنے کی نوبت نہیں آتی۔ مگر امت میں نام نہاد لیڈروں نے جھوٹی اچھل کود مچا کر تمام روایات توڑ ڈالیں۔ روایت شکنی ایک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ وہ عقل کے خلاف بھی ہے اور اسلام کے خلاف بھی۔ جیسا کہ معلوم ہے۔ نام نہاد انقلابی تحریکیں سب کی سب ملت کی سطح پر اٹھیں، اس قسم کی کوئی بھی تحریک برادریوں کی سطح پر نہیں اٹھی۔ یہی وجہ ہے کہ ملت میں روایتیں ٹوٹ گئیں، جب کہ برادریوں کی روایتیں نہیں ٹوٹیں۔

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب مرادآباد میں ۹ جنوری ۱۹۱۴ کو پیدا ہوئے۔ حال میں ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ اپنی قسم کے انوکھے آدمی تھے۔ ۱۹۴۷ سے پہلے وہ مرادآباد میں وکالت کرتے تھے۔ اپنے دفتر میں انھوں نے ایک ساتھ دو تصویریں لگا رکھی تھیں۔ ایک جواہر لال نہرو کی، اور دوسری محمد علی جناح کی۔

اس زمانہ میں دونوں لیڈروں میں زبردست اختلاف تھا۔ دونوں بالکل دو انتہا پر نظر آتے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے دفتر کو بیک وقت دونوں کی تصویروں سے کیوں سجایا۔ ان کے بعض جاننے والوں کا خیال ہے کہ ان کا نظریہ غالباً یہ تھا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر باکمال ہیں۔ اور کمال کی صفت خواہ کسی میں بھی ہو وہ بہرحال قابل اعتراف ہوتی ہے۔

مرادآباد میں ایک صاحب ہیں جو حافظ قرآن ہیں اور ایک کالج کے پرنسپل بھی ہیں۔ وہ گرم مزاج ہیں، وہ اپنی گرم مزاجی کا سبب اللہ کے کلام کو سینے میں محفوظ رکھنا بتاتے ہیں۔ میری

اپنی رائے ہے کہ اللہ کے کلام سے گرم مزاجی اور بدمزاجی نہیں آسکتی۔ اس کو تو رحمت و عافیت کا سبب بننا چاہیے۔ صحیح پوزیشن سے آگاہ کرنے کی زحمت کریں۔

میرے ایک دوست کو آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ آج کے مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگی کی مثالیں دیتے ہیں۔ مگر آج کے انسان اور ان انسانوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ تو پھر کس طرح آج کا انسان وہ سب کیسے کر سکتا ہے۔ میری وضاحت اس بارے میں یہ تھی کہ بے شک آج کے انسان اور مسلمانوں کی ڈگری صحابہ کی ڈگری سے کم ہے۔ مگر اللہ کا پیغام جو حضورؐ لے کر آئے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے قابل عمل ہے، اس لیے صحابہ کی مثال مناسب اور ضروری ہے۔ علمی وضاحت فرمائیے۔

مولوی حضرات اور مدرسہ سے وابستہ حضرات کھانے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، یہ بات عام طور سے کہی بھی جاتی ہے اور عموماً مشاہدہ میں بھی آتی ہے۔ کیا حضورؐ کی زندگی میں کوئی ایسا بھی پہلو ہے جس میں خوب سے خوب تر کھانے اور بہت کھانے کی طرف اشارہ ہو۔

مذہب کے ساتھ ساتھ قوموں کی تاریخ کا مطالعہ بھی آپ کا بہت وسیع ہے۔ ایک سچائی جاننا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی شاہ جہاں نے تاج محل بنانے والے کاریگروں کے ہاتھ کٹوا دیے تھے۔ یقین نہیں ہوتا کیوں کہ یہ لوگ مذہبی لوگ تھے۔

ہندستان میں عام طریقہ ہے businessmen دو لیجر کا استعمال کرتے ہیں۔ ایک نمبر ا ہوتا ہے، دوسرا نمبر ۲۔ مسلمان بھی اس کام میں پیچھے نہیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام اسلامی رو سے ٹھیک نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہندستانی Tax System اور مسلمانوں کی ذمہ داری کی وضاحت اسلامی نقطۂ نظر سے کیجیے۔

میرے ایک ہندو دوست کا سوال ہے کہ اگر کسی مسلمان کا بیٹا اسلام پر یقین نہیں رکھتا ہے تو کیا اس کو گھر اور جائداد سے بے دخل کر دیا جائے گا۔ اُن کا ماننا ہے کہ کٹر مسلمان ایسا ہی کرتے ہیں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اس کی گنجائش نہیں کہ کسی کو اس کے واجبی حق سے محروم کر دیا جائے۔ برائے مہربانی مسئلہ کو واضح کیجیے۔

گوشت کے "حلال اور جھٹکا" کی اسلامی وضاحت کیجیے۔

کوئی حکمت اور نصیحت کی بات بتائیے کہ کس طرح ان لوگوں سے تال میل بنا کر رکھا جائے جن کا intellectual level واقعی کم ہے اور دفتر میں وہ باس کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بینک میں میں بہت محنت اور لگن سے کام کرتا ہوں۔ مگر اندر سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے بینک میں دل چسپی نہیں ہے۔ کوئی ایسا کام جس سے علم کا حصول اور علم کا فروغ وابستہ ہو کرنے کا من کرتا ہے۔ اس تعلق سے حکمت و نصیحت کی بات بتائیے۔

اپریل ۱۹۹۶ کے الرسالہ میں ایک مضمون میں آپ نے کچھ مسائل کو "انتظار کے خانہ میں ڈالنے" کا مشورہ دیا ہے۔ یہ یقیناً ایک زبردست حکمت ہے۔ میری کلکتہ کی ٹریننگ شاید اسی حکمت پر عمل کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

رازِ حیات ایک نایاب کتاب ہے۔ وہ واقعی تحفہ کے لائق ہے۔ مگر اردو میں ہونے کی وجہ سے اس کا دائرہ بہت مختصر ہے۔ جلد از جلد ہندی اور انگریزی میں ترجمہ کرانے کی زحمت کیجئے۔

دہلی کی ایک سڑک کے کنارے ایک بہت بڑے حیوان کا ڈھانچہ کھڑا ہوا ہے۔ یہ ڈائناسار (dinosaur) ہے۔ زمینی طبقات میں ایسی ہڈیاں یا ڈھانچے پائے گئے ہیں جن سے ماہرین نے یہ سمجھا ہے کہ تقریباً ۶۵ ملین سال پہلے زمین پر ہاتھی سے بھی زیادہ بڑے جانور چلتے پھرتے تھے۔ ان کی لمبائی تقریباً سو فٹ تک ہوتی تھی۔ دنیا کے تمام عجائب خانوں میں اس کے نمونے برائے نمائش رکھے گئے ہیں۔

مراد آباد کا ہفت روزہ اخبار خبردار جدید (۲۱ تا ۲۸ جون ۱۹۹۶) میں شائع شدہ ایک رپورٹ نظر سے گزری۔ جس کا عنوان یہ تھا: مراد آباد میں مسلم تعلیمی اداروں کا زوال۔

اس میں بتایا گیا تھا کہ مراد آباد میں چند تعلیمی ادارے ہیں مگر وہ بھی اچھی حالت میں نہیں ہیں۔ ہیوٹ مسلم انٹر کالج لڑکوں کے لیے اور عبد السلام مسلم گرلز کالج لڑکیوں کے لیے، ۱۹۴۷ سے پہلے قائم ہوئے۔ ان اداروں کے بانیوں نے انھیں جہاں چھوڑا تھا آج بھی وہ وہیں ہیں۔ آج تک یہ اس لیے قائم ہیں کہ صوبائی حکومت انھیں پوری پوری رقمی گرانٹ دیتی ہے۔ ان کالجوں میں ڈگری کلاسز کا بھی اضافہ نہ کیا جا سکا۔ چنانچہ طلبا کو مزید تعلیم کے لیے دوسرے اداروں میں جانا پڑتا ہے۔ عبد السلام مسلم گرلز انٹر کالج میں کامرس اور سائنس کے مضامین کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔

یہ صرف مراد آباد کی بات نہیں بلکہ تقریباً ہر جگہ یہی حال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں کچھ اسکول کالج تو کھلے اور کئی یونیورسٹیاں بھی بنائی گئیں مگر تعلیمی شعور پیدا کرنے کی کوئی مہم جاری نہ کی گئی۔ تعلیمی اداروں کا قیام جتنا ضروری ہے، اتنا ہی ضروری یہ بھی ہے کہ لوگوں کے اندر تعلیم کی اہمیت کا شعور پیدا کیا جائے۔ قریبی سالوں میں مسلم نوجوان نسبتاً زیادہ بڑی تعداد میں تعلیمی اداروں میں داخلے لے رہے ہیں مگر وہ بھی کسی تعلیمی شعور کے تحت نہیں ہے بلکہ معاشی دباؤ کے تحت ہے۔ اس لیے اس سے بھی زیادہ فائدہ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

۱۱ مارچ کو دہلی واپس آتے ہوئے بیشتر راستہ طے ہو چکا تھا کہ اچانک زور کی آواز کے ساتھ گاڑی کھڑی ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ اس کا ایک ٹایر پھٹ گیا۔ بظاہر اب گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ لیکن ڈرائیور اطمینان کے ساتھ اترا۔ اس کو معلوم تھا کہ گاڑی کے پچھلے حصہ میں ایک اسٹپنی (stepney) موجود ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً گاڑی کا ایک پہیہ نکالا اور اس کی جگہ دوسرا پہیہ (اسٹپنی) لگا دی۔ اب گاڑی دوبارہ اپنی رفتار کے ساتھ آگے کے لیے روانہ ہو گئی۔

میں نے سوچا کہ یہ صرف ایک گاڑی کا معاملہ نہیں ہے، یہی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ زندگی کی دوڑ میں کسی بھی مرحلہ میں ایسا ہو سکتا ہے کہ سابقہ انتظام میں کوئی نقص پیدا ہو جائے اور اچانک زندگی کا سفر رک جائے۔ اس امکانی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس ایک متبادل انتظام ہر وقت موجود ہو۔ اسی بات کو حالی نے اس طرح نظم کیا ہے:

سفینہ بنا رکھیں طوفان سے پہلے

۱۱ مارچ ۱۹۹۶ کو گیارہ بجے میں دہلی واپس آ گیا۔

۱ ہندی روزنامہ جے وی جی ٹائمس کے ڈپٹی چیف رپورٹر، مسٹر کمار اتل اور ان کے ساتھیوں نے ۷ ۲ فروری ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ پچھلے پچاس سال میں انڈیا نے کیا حاصل کیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آزادی کے بعد مطلوب ہندستان نہ بننے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صحیح نقطۂ آغاز سے کام شروع نہیں کیا گیا۔ صحیح نقطۂ آغاز تعلیم تھا۔ مگر ہمارے لیڈروں نے اسٹیٹ اکانومی (سوشلزم) سے آغاز کیا جس کو بجا طور پر راج گوپال اچاری نے لائسنس پرمٹ راج کہا تھا۔

۲ ہندی میگزین نیا سے چک کے اڈیٹر پرمود شری واستو نے ۲۱ فروری ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے مسائل سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہندستانی مسلمانوں کے تعلیم میں پیچھے ہونے کا تعلق ان کے مذہب سے نہیں ہے۔ چونکہ دیش پچھڑا ہوا ہے اس لئے مسلمان بھی پچھڑے ہوئے ہیں۔

۳ ۱۳ فروری ۱۹۹۷ کو آرگنائزر فورم کی طرف سے کانسٹی ٹیوشن کلب (نئی دہلی) میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ شری آنند شنکر پانڈے کی کتاب (مسلمان پچھڑے کیوں ہیں) کے اجرا کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ انھوں نے اپنی تفصیلی تقریر میں بتایا کہ مسلمان پچھڑے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ترقی کر رہے ہیں۔ تقریر میں واقعات و حقائق کی روشنی میں یہ بھی بتایا گیا کہ مسلمان ملک کی مین اسٹریم میں شامل نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بھی اسی طرح مین اسٹریم میں شامل ہیں جس طرح ہندو شامل ہیں۔

۴ آریہ سماج کے دفتر (جنتر منتر روڈ، نئی دہلی) میں ۲۷ فروری ۱۹۹۷ کو ایک میٹنگ ہوئی۔ یہ میٹنگ چندر شیکھر آزاد (پیدائش ۱۹۰۶) کی یاد میں ہوئی۔ صدر اسلامی مرکز

نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ انھوں نے بتایا کہ چندر شیکھر آزاد، ۱۹۴۷ء سے پہلے کے ہندستان کی علامت ہیں۔ آج ہمیں نئے قسم کے نوجوان درکار ہیں، وہ نوجوان جو دیش میں نیشنل کیریکٹر لانے کی کوشش کریں۔

۵ سورج کنڈ (ہریانہ) میں سوادھیائے موومنٹ کی طرف سے ۲۷-۲۹ جنوری ۱۹۹۷ کو ایک میٹنگ ہوئی جس میں مختلف مقامات کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور ہندستان میں تعمیر نو کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں تقریباً وہی باتیں کہی گئیں جو اس سے پہلے پانیر ۲۶ جنوری ۱۹۹۷ میں چھپ چکی ہیں۔ ایک پائنٹ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا کہ ہندو مذہب کا فلسفہ مانزم (وحدت الوجود) کے اصول پر قائم ہے جبکہ اسلام کا مذہبی تصور مانوتھیزم (توحید) پر مبنی ہے۔ اس معاملہ کی کو تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا

۶ جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی کے شعبہ سوشل سائنس کی طرف سے یونیورسٹی کے کانفرنس روم میں ۲۶ مارچ ۱۹۹۷ کو ایک میٹنگ ہوئی جس کا موضوع شریعت اسلامی میں نظام وطلاق کا مسئلہ تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور اس موضوع پر ایک تقریر کی۔ تقریر کے بعد سوال وجواب کا پروگرام ہوا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعی قانون کا غلط استعمال ہے، وہ شریعت کا مقرر طریقہ نہیں۔

۷ ۳۰ مارچ کو امریکہ کے تین پروفیسر مرکز میں آئے۔ ان کے نام یہ ہیں: رابرٹ جی ورسنگ، جوزف اسی شارٹس برگ، ہاورڈ بی شافر۔ یہ لوگ کشمیر اسٹڈی گروپ (امریکہ) کی طرف سے ہندستان آئے تھے۔ انھوں نے کشمیر کا مسئلہ اور ہندستانی مسلمانوں کے مسئلہ پر تفصیلی انٹرویو لیا۔ دونوں موضوعات کے بارے میں مفصل جوابات دئے گئے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ کشمیر کے معاملہ میں دونوں ملکوں کو شملہ اگریمنٹ (۱۹۷۲) کے تحت عمل کرنا چاہئے۔ ہندستان اور پاکستان دونوں اس معاہدہ کے پابند ہیں جس پر دونوں ملکوں کے وزیر اعظم نے دستخط کئے تھے۔

۸ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ۱۸ اپریل ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر براڈکاسٹ کی گئی۔ اس کا موضوع تھا: عید اضحیٰ سنت ابراہیمی کی روشنی میں۔ اس تقریر میں بتایا گیا کہ عید اضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی ایک علامتی قربانی ہے۔ اصل مطلوب یہ ہے کہ اس مشن میں اپنے آپ کو وقف کیا جائے جس میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا۔

۹ سنڈے آبزرور کی سب اڈیٹر مسز رادھا پٹیل نے ۸ اپریل ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستان کی مسلم کمیونٹی کے حالات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آپ کو چاہئے کہ اسلام اور مسلمان میں فرق کریں۔ اور مسلمانوں کو اسلام سے جانچیں نہ کہ اسلام کو مسلمانوں سے۔

۱۰ کیتھولک بشپس آف انڈیا کی طرف سے انڈین سوشل انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) میں ایک تین روزہ سیمنار بیس اینڈ ریلیجن کے موضوع پر اس کی دعوت پر ۲۴ فروری ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز نے افتتاحی ایڈریس دیا۔ آدھ گھنٹہ کی تقریر انگریزی میں تھی۔ اس میں خصوصیت سے یہ بتایا گیا کہ اسلام کی تعلیمات مکمل طور پر امن اور سلامتی کے اصول پر مبنی ہیں۔

۱۱ اخبار اسٹیٹسمین کے نمائندہ ضیاء السلام نے ۸ مئی ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام کے ازدواجی قانون سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ پولیگمی کا تقابل آپ لوگ مونوگمی سے کرتے ہیں اس لئے کنفیوزن پیدا ہوتا ہے۔ آپ کو پولیگمی کا تقابل سکسول انارکی سے کرنا چاہئے کیونکہ یہ اجازت اس وقت کے لئے ہے جب کہ عورتیں سرپلس ہو گئی ہوں۔ ایسے حالات میں مغرب نے سکسول انارکی کا انتخاب کر رکھا ہے۔ جب کہ اسلام نے جائز حدود میں پولیگمی کے طریقہ کار کا انتخاب کیا ہے۔

۱۲ گرو گل گوتم نگر (نئی دہلی) میں ۱۹ اپریل ۱۹۹۷ کو آل انڈیا نشہ بندی کونسل ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور شراب بندی کی حمایت میں ایک تقریر کی۔ انھوں نے بتایا شراب اُمّ الخبائث ہے۔ وہ دوسری اکثر برائیوں کی جڑ ہے۔

۱۳ جن ستّہ کے نمائندہ مسٹر صفدر رضوی نے ۱۴ اپریل ۱۹۹۷ کو ٹیلیفون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ملک کی موجودہ صورت حال سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ موجودہ حالات میں ہندستان میں صرف مخلوط حکومت ہی بن سکتی ہے۔ ایسی حالت میں سیاسی پارٹیوں کو چاہئے کہ نظریاتی انتہا پسندی کا طریقہ چھوڑ دیں اور وسیع تر ملکی مفاد کی خاطر ملی جلی حکومت بنانے پر راضی ہو جائیں جیسا کہ ملیشیا میں اور دوسرے ملکوں میں عرصہ سے کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے۔

۱۴ فار ایسٹرن اکنامک ریویو (ہانگ کانگ) کے اسسٹنٹ ایڈیٹر (اے بی گھوش) نے ۷ مئی ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق ۵۰ سالہ ہندو مسلم تعلقات کے بارہ میں تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہندستان کے مسلمان کسی خارجی سازش کا شکار نہیں ہوئے ہیں بلکہ خود اپنی نا اہل قیادت کی غلط رہنمائی کا شکار ہوئے۔ گفتگو کے بعد انھیں ہندستانی مسلمان (انگریزی) کی ایک کاپی دی گئی۔

۱۵ این ڈی اے نیوز ایجنسی کے نمائندہ مسٹر نسیم نقوی نے حج کے موقع پر منیٰ میں ہونے والے حادثہ (۱۶ اپریل ۱۹۹۷) کے بارے میں تفصیلی انٹرویو لیا۔ اس سلسلہ میں ضروری تفصیلات بتائی گئیں۔ یہ کہا گیا کہ اس حادثہ کا سبب سعودی حکومت کا ناقص انتظام نہیں تھا۔ اس کی تمام تر وجہ حاجیوں کی عدم تربیت تھی۔ اس سلسلہ میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ حج ہاؤس کی طرف سے حج کے لئے جانے والوں کی تربیت کے لئے اورینٹیشن کورس چلائے جائیں۔

۱۶ انگریزی میگزین کالی یگ (Kali Yug) کی نمائندہ مسز روپا شرما نے ۸ مئی ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق اسلام کی سماجی اور اخلاقی تعلیمات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ جس طرح گیتا اور ہندو سماج دونوں ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ یہی معاملہ اسلام اور مسلمان کا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ مسلمانوں کو اسلام کی روشنی میں دیکھیں نہ کہ مسلمانوں کی پریکٹس کو دیکھ کر اسلام کے بارہ میں رائے قائم کریں۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اُردو		مطالعۂ سیرت	9/-	حیاتِ طیبہ	7/-
تذکیر القرآن جلد اول	200/-	ڈائری جلد اول	-	باغِ جنت	7/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-	کتاب زندگی	40/-	نارِ جہنم	7/-
اللہ اکبر	45/-	انوارِ حکمت	-	خلیج ڈائری	10/-
پیغمبر انقلاب	40/-	اقوالِ حکمت	20/-	رہنمائے حیات	7/-
مذہب اور جدید چیلنج	45/-	تعمیر کی طرف	8/-	مضامین اسلام	30/-
عظمتِ قرآن	30/-	تبلیغی تحریک	20/-	تعددِ ازواج	3/-
عظمتِ اسلام	50/-	تجدیدِ دین	20/-	ہندستانی مسلمان	40/-
عظمتِ صحابہ	7/-	عقلیات اسلام	30/-	روشن مستقبل	7/-
دین کامل	50/-	مذہب اور سائنس	-	صوم رمضان	7/-
الاسلام	40/-	قرآن کا مطلوب انسان	8/-	علم کلام	9/-
ظہورِ اسلام	40/-	دین کیا ہے	8/-	اسلام کا تعارف	4/-
اسلامی زندگی	25/-	اسلام دین فطرت	7/-	علماء اور دور جدید	8/-
احیاءِ اسلام	20/-	تعمیر ملت	6/-	سیرتِ رسولؐ	
رازِ حیات	50/-	تاریخ کا سبق	7/-	ہندستان آزادی کے بعد	3/-
صراطِ مستقیم	40/-	فسادات کا مسئلہ	5/-	مارکسزم تاریخ جس کو	8/-
خاتونِ اسلام	50/-	انسان اپنے آپ کو پہچان	5/-	رد کر چکی ہے	
سوشلزم اور اسلام	40/-	تعارفِ اسلام	5/-	سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	7/-
اسلام اور عصر حاضر	30/-	اسلام پندرھویں صدی میں	5/-	الاسلام یتحدی	85/-
الربانیہ	40/-	راہیں بند نہیں	7/-	**ہندی**	
کاروانِ ملت	45/-	ایمانی طاقت	7/-	سچائی کی تلاش	8/-
حقیقتِ حج	30/-	اتحادِ ملت	7/-	انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
اسلامی تعلیمات	25/-	سبق آموز واقعات	7/-	پیغمبر اسلام	4/-
اسلام دور جدید کا خالق	25/-	زلزلۂ قیامت	10/-	سچائی کی کھوج	-
حدیثِ رسولؐ	25/-	حقیقت کی تلاش	7/-	آخری سفر	8/-
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85/-	پیغمبر اسلام	5/-	اسلام کا پریچے	8/-
سفرنامہ (ملکی اسفار)	-	آخری سفر	7/-	پیغمبر اسلام کے جان ساتھی	8/-
میوات کا سفر	35/-	اسلامی دعوت	7/-	راستے بند نہیں	7/-
قیادت نامہ	20/-	خدا اور انسان	7/-	جنت کا باغ	8/-
راہِ عمل	25/-	حل یہاں ہے	10/-	بہو پتنی واد اور اسلام	3/-
تعبیر کی غلطی	60/-	سچا راستہ	5/-	اتہاس کا سبق	9/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-	دینی تعلیم	7/-	اسلام ایک سوابھاوک مذہب	

A Treasury of the Qur'an	75.00
The Beautiful Commands of Allah	125.00
The Beautiful Promises of Allah	175.00
The Wonderful Universe of Allah	95.00
Words of the Prophet Muhammad	75.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	165.00
The Life of the Prophet Muhammad	75.00
Sayings of Muhammad	75.00
Presenting the Qur'an	165.00
The Soul of the Qur'an	125.00
Indian Muslims	65.00
Islam and Modern Challenges	95.00
Islam: The Voice of Human Nature	30.00
Islam: Creator of the Modern Age	55.00
Woman Between Islam and Western Society	95.00
Woman in Islamic Shari'ah	65.00
Islam As It Is	55.00
Religion and Science	45.00
The Way to Find God	20.00
The Teachings of Islam	25.00
The Good Life	20.00
The Garden of Paradise	25.00
The Fire of Hell	25.00
Man Know Thyself	8.00
Muhammad: The Ideal Character	8.00
Tabligh Movement	40.00
Polygamy and Islam	7.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	7.00
An Islamic Treasury of Virtues	

AL-RISAL BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013, Tel 4611128, Fax 4697333

MUHAMMAD
A PROPHET FOR ALL HUMANITY
MAULANA WAHIDUDDIN KHAN

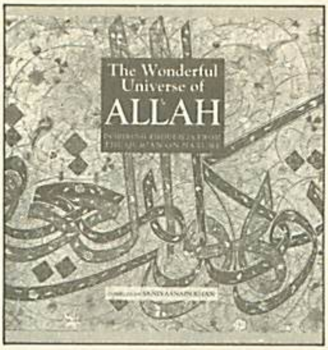
The Wonderful Universe of
ALLAH

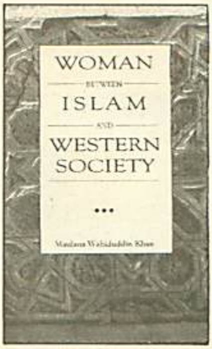
WOMAN
BETWEEN
ISLAM
AND
WESTERN SOCIETY
Maulana Wahiduddin Khan

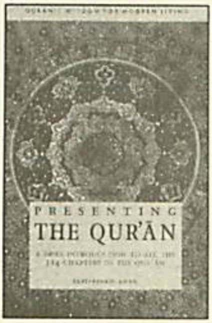
PRESENTING
THE QUR'AN

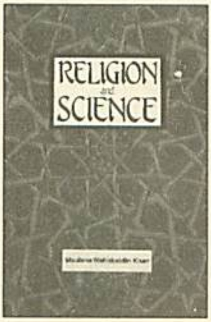
RELIGION
and
SCIENCE

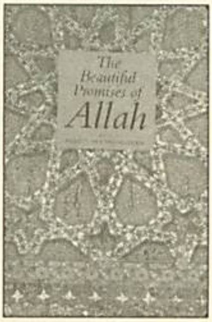
The
Beautiful
Promises of
Allah

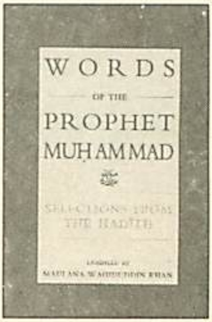
WORDS
OF THE
PROPHET
MUHAMMAD
SELECTIONS FROM
THE HADITH
MAULANA WAHIDUDDIN KHAN

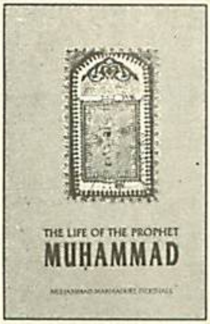
THE LIFE OF THE PROPHET
MUHAMMAD

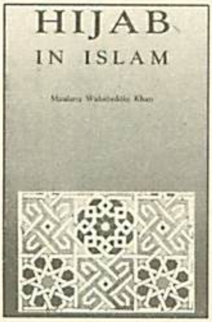
HIJAB
IN ISLAM
Maulana Wahiduddin Khan

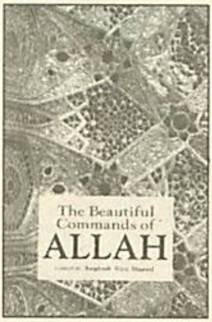
The Beautiful
Commands of
ALLAH

WOMAN
IN ISLAMIC SHARI'AH

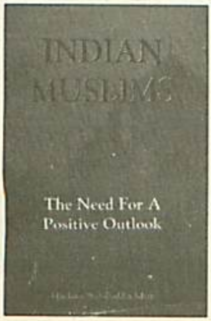
INDIAN
MUSLIMS
The Need For A
Positive Outlook

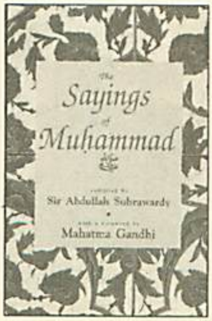
The
Sayings
of
Muhammad
Sir Abdullah Suhrawardy
Mahatma Gandhi

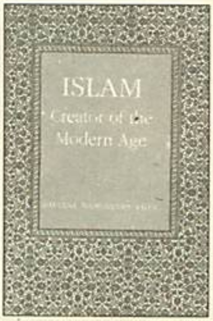
ISLAM
Creator of the
Modern Age

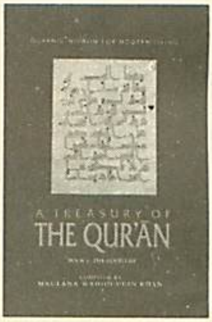
A TREASURY OF
THE QUR'AN

Finest collection of books on Islam

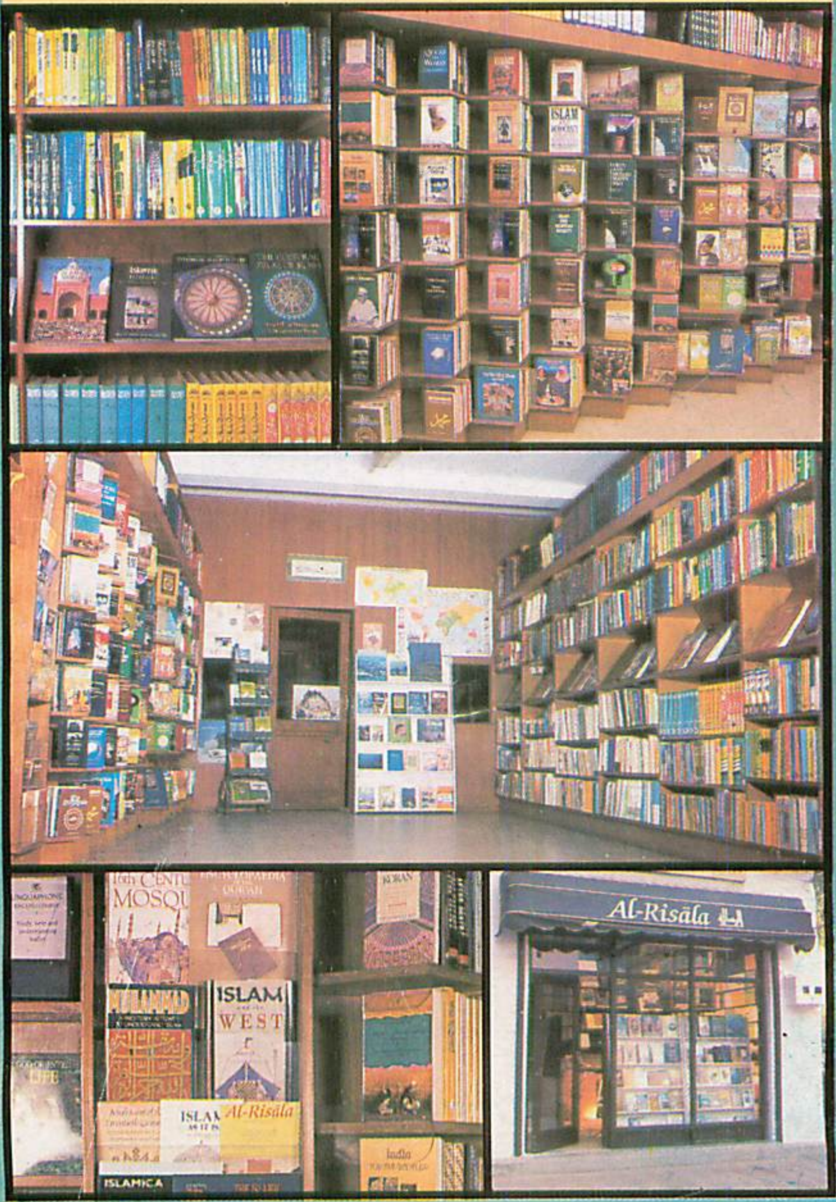

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Tel: 4611128 Fax 4697333

RNI 28822/76 • U(SE) 12/97
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/97